عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ

طلوعِ اسلام

August 1939

بیادگار حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

مطبوعات دائرہ طلوع اسلام

الحمدللہ کہ دائرہ طلوع اسلام کی مطبوعات نے تھوڑے ہی عرصہ میں کافی شہرت حاصل کرلی ہے۔ واردھا اسکیم کے تین ایڈیشن نکل چکے گفتگوئے مصالحت دوبارہ طبع کرائی گئی اس طرح دیگر رسائل بھی ہاتھوں ہاتھ نکل رہے ہیں۔ ان مطبوعات کی خصوصیت یہ ہے کہ انکا نفع کسی فرد واحد کو نہیں پہونچتا بلکہ اسکو طلوع اسلام کی ترقی اور دیگر تالیفات پر صرف کیا جاتا ہے۔

اسلامی معاشرت

مشہور متکلم اسلام مولانا غلام احمد صاحب پرویز نے اس رسالہ میں صحیح اسلامی معاشرتی زندگی کا عطر کھینچ کر رکھ دیا ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم انسانی زندگی کو کس سانچہ میں ڈھالنا چاہتا ہے اگر آپ اپنی زندگی کا نصب العین معلوم کرکے اپنی سیرت کی تشکیل قرآن کریم کی مدد سے کرنا چاہتے ہیں تو اسے ضرور ملاحظہ کیجیے قیمت ۴ر محصولڈاک ار

واردھا کی تعلیمی اسکیم اور مسلمان

(ازجناب رازی) اس کا چوتھا ایڈیشن بھی جو کئی ہزار کی تعداد میں چھپا تھا ختم ہو رہا ہے ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے اس کی مانگ جاری ہے۔

قیمت مع محصول ۱۰ر

سوراجی اسلام

(ازجناب رازی) سیاسیات ہند میں تہلکہ ڈالنے والی کتاب جنے کانگرسی لیڈروں کے عزائم کو بے نقاب کردیا ہے، الہلال کے دور اول میں مولانا ابوالکلام آزاد کے خیالات کیا تھے۔ اسلامی تہذیب کو مٹانے کے لیے کانگرسیوں کا متحدہ محاذ قیمت فی نسخہ ۲ر محصول ۵ر

زبان کا مسئلہ

(ازجناب رازی)۔ اس رسالہ میں نہایت شرح وبسط کے تھ بتایا گیا ہے کہ کانگرسی اور غیر کانگرسی ہندو کس طرح اُردو کو تباہ کرکے ہندی اور سنسکرت کو ہندوستان کی قومی زبان بنا رہے ہیں۔ کانگرسی حکومتوں کے سرکاری ریکارڈ سے بتایا گیا ہے کہ ہندو وزیر اُردو کو برباد کرنے کے لیے کیا تدابیر اختیار کررہے ہیں قیمت ۱ر علاوہ محصول

دفتر طلوع اسلام بلیماران دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامی حیات اجتماعیہ کا ماہوار مجلہ

طلوع اسلام

دہلی

(دورِ جدید)

مرتب
محمد ظہیر الدین صدیقی۔ بی ایس سی

بدل اشتراک
پانچ روپیہ سالانہ
ششماہی تین روپے

جلد (۲) شمار (۴)
جمادی الثانی ۱۳۵۸ھ مطابق اگست ۱۹۳۹ء

فہرست مضامین

۱	حقایق و عبر	از حضرت علامہ اقبالؒ	۳
۲	لمعات	ادارہ	۴ - ۱۲
۳	کفر سے دوستی!	ایک مسلمان	۱۳ - ۳۷
۴	تصویر کے متعلق	ادارہ	۳۸ - ۴۰
۵	پیام اقبالؒ	چودہری غلام احمد صاحب پرویز	۴۱ - ۵۲
۶	بابر	اسد ملتانی	۵۳ - ۵۴
۷	ایک شعر کی تاویل	(ر ک)	۵۵ - ۵۶
۸	ہندوستان میں سوشلزم؟	محمد شبیر حسن صاحب	۵۷ - ۷۱
۹	تقلید مغرب	مولوی عزیز الحق صاحب عزیز	۷۲
۱۰	نقد و نظر	ادارہ	۷۳ - ۸۰
۱۱	دارالسلام	چودہری غلام احمد صاحب پرویز	۸۱ - ۸۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزِ ملت ← [لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ! مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ] → مرکزِ ملت

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

مرکزی فیصلوں کی اطاعت ہی ایمان ہے

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

اِعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا — اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ

اللہ کی رسّی کو سب مِل کر مضبوطی سے تھام لو اور اس سے علیحدہ مت ہو — بات مانو اللہ و رسول کی جب وہ تمہیں اس بات کے طرف بلائے جو تمہیں زندگی عطا کرتی ہو

یعنی

مرکز مرکز کی اطاعت اور جماعت پیدا کرو

اس لیے کہ

جو جماعت سے علیحدہ ہوا وہ جہنم میں گیا — جماعت کے بغیر اسلام کچھ نہیں !

عَلَیْکُمْ بِالْجَمَاعَةِ فَاِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ — لَا اِسْلَامَ اِلَّا بِالْجَمَاعَةِ

(فرمانِ رسولؐ) — (قولِ حضرت عمرؓ)

(اقبال)

چیست ملت اے کہ گوئی لا الٰہ — با ہزاراں چشم بودن یک نگاہ

بگذر از بے مرکزی پائندہ شو

حقائق و عبر

به بندِ صوفی و ملّا اسیری
حیات از حکمتِ قرآں نگیری
بآیاتش ترا کارے جز ایں نیست
کہ از "یٰسین" او آساں بمیری

برہمن گفت - برخیز از درِ غیر
ز یاران وطن ناید بہ جز خیر
بیک مسجد دو مُلّا می نہ گنجد
ز افسونِ بتاں گنجد بیک دیر

اقبال

لمعات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ۔ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ۔ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ۔ ۴۸/۲۹

اس ننھے سے بیج کی طرح جو پہلے ایک نرم و نازک سوئی کی طرح زمین سے نکلے۔ پھر اس میں قوت پیدا ہوتی جائے تو ایک لہلہاتے پودے کی شکل میں سرفراز ہو۔ اور پھر اور تقویت حاصل کرے تو ایک بلند و بالا تناور درخت کی صورت میں جلوہ طراز ہو جس کی نزہت و شگفتگی اور برگ و بار کو دیکھکر اس جنتِ ارضی کا باغبان فرطِ مسرت سے جھومنے لگے اور مخالفین اپنے غصہ کی آگ میں جلتے رہیں۔

طلوعِ اسلام ایک پیغام لیکر آیا ہے۔ وہ لفظوں میں وہ پیغام ہے "حکومتِ الٰہی کا قیام"۔ پہلے اپنے گھر میں۔ اور پھر پھیلتے پھیلتے تمام روئے زمین پر۔ اس پیغام کے مخاطبِ عمومی تمام مسلمان ہیں۔ لیکن چونکہ قوموں کا مستقبل ہمیشہ ابھرنے والی نسل کے ہاتھ میں ہوتا ہے اسلیئے ہم نے شروع ہی سے نوجوانانِ ملّت کو اپنے اس پیغام کا خصوصی مخاطب سمجھا ہے اور علیٰ قدر وسعت ہر ممکن طریقہ اختیار کیا ہے کہ یہ پیغامِ خداوندی ان کی نگاہوں کے سامنے روشن اور انکے دلوں میں جاگزین ہو جائے۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر ہم نے رسالہ اور اسکے شائع کردہ پمفلٹوں کو قوم کی درسگاہوں میں اس کثرت سے پھیلایا ہے کہ ہمارے بعض کرم فرما ہمارے "جنونِ مصلحت فراموش" سے تعبیر کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اسمیں شبہ نہیں کہ الحاد و افرنگیت یا دوسری طرف نیشنلزم اور سوشلزم کا وہ سیلاب بلا انگیز جو ہمارے ان نوجوانوں کی تربیت گاہوں کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ خاطر خواہ نتائج پیدا کرنے میں بڑی حد تک حائل ہوتا ہے۔ لیکن خدا کی رحمت سے مایوسی ہمارے مسلک میں جرمِ عظیم ہے اسلیئے اس سے نہ تو ہمارے حوصلوں میں پستی آئی نہ عزائم میں لغزش اور ہم اللہ کے فضل و کرم کے بھروسہ پر اسکے اس

درخشندہ پیغام کی نورانی شمع کو ہاتھ میں لیکر آگے ہی بڑھتے گئے۔ تا آنکہ ہم نے محسوس کرلیا کہ ہماری سعی لاحاصل اور ہماری تگ و تاز بے نتیجہ نہیں۔ اس دوران میں ہماری انگلیاں نبضِ ملت پر اور نگاہیں رفتارِ زمانہ پر رہیں۔ اور ہم نے علیٰ وجہ البصیرت دیکھا کہ ہماری قوم کے نوجوانوں کے دلوں میں ایک آنے والے انقلاب کی خوابیدہ آرزوئیں کروٹیں لے رہی ہیں۔ کچھ روز اُدھر سے تو اس طبقہ کے جو خیالات متعدد مراسلات کی صورت میں ہم تک پہنچ رہے ہیں وہ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ

خلوت کی گھڑی گزری۔ جلوت کی گھڑی آئی
چھٹنے کو ہے بجلی سے آغوشِ سحاب آخر!

چنانچہ انہی حیات آفریں خیالات کا ایک مختصر سا مرقع آپکو اس گرمجوش اسکیم میں ملے گا جو پچھلے دنوں "پنجاب مسلم سٹوڈنس" کی طرف سے سول اینڈ ملٹری گزٹ میں شائع ہوئی ہے جسکا نصب العین یہ ہے کہ :-

عالم ہے فقط مومنِ جانباز کی میراث ! مومن نہیں جو صاحبِ لولاک نہیں ہے !

اسلئے اس اسکیم کے اجزائے ترکیبی یوں سمجھیے۔

(۱) مومن کی زندگی کا مقصد استخلاف فی الارض ہے

(۲) ہندوستان میں اس کی ابتدا کے لیے شمالی ہندوستان کا پورا خطہ ایک اسلامی ریاست میں تبدیل کیا جائے۔ جس کی حدیں افغانستان اور آسام تک پھیلی ہوئی ہوں۔

(۳) اس خطہ میں حکومتِ الٰہی کو قایم کیا جائے جسکا ضابطۂ قوانین کتاب اللہ ہو۔

(۴) احکامِ خداوندی کی تنفیذ کا ذمہ دار ایک امیرِ ملت ہو جس کی پشت پر مجاہدین کی ایسی جماعت ہو جسکے نزدیک احکامِ الٰہی میں اطاعت امیر۔ خدا اور رسولؐ کی اطاعت کے مرادف ہو۔

(۵) جماعت کا ہر رُکن امیرِ ملت کے ہاتھ پر اس امر کی بیعت کرے کہ جب تک اسے جماعت کا اعتماد حاصل رہے گا۔ اور وہ کتاب اللہ کے مطابق راہ نمائی کرتا رہے گا۔ بیعت کرنیوالے پر اُسکے ہر حکم کی تعمیل فرض ہوگی۔

(۶) حکومتِ الٰہی کے دائرہ کے اندر بسنے والے غیر مسلموں کی حیثیت ذمیوں کی ہوگی جو جزیہ دیکر فوجی

خدمت سے سبقت لے رہیںگے۔ اور ان کے معابد۔ جان ۔ مال۔ عزّت کی حفاظت، حکومتِ خداوندی کے ذمّہ ہوگی

آپ اس اسکیم پر جس انداز سے جی چاہے تنقید کیجئے۔ (اور ہمیں خود تسلیم ہے کہ اسے قابلِ عمل بنانے کے لیئے اِس میں ابتداءً کچھ تغیر و تبدل کرنا پڑیگا۔ اور اسکے حصول کے لیئے بے پناہ قربانیوں کی ضرورت ہوگی، لیکن اِس حقیقت سے آپکو کسی صورت میں بھی انکار نہیں ہوگا۔ کہ وہی نوجوان جو کل تک یورپ کی نیشنلزم اور اُس سوشلزم کو اپنا مسلک اور مارکس اور لینن اور گاندھی اور نہرو کو اپنا راہ نما تصور کرتے تھے۔ جنکے کمروں سے خدا اور مذہب کے خلاف تضحیک و تمسخر کے قہقہے فضائے آسمانی میں تحرک و تموج پیدا کر دیتے تھے۔ آج انہی نوجوانوں کی زبان سے حکومتِ الٰہی۔ احکامِ قرآنی ملتِ اسلامی۔ امیرالمومنین۔ جماعتِ مجاہدین۔ مرکزیت۔ اطاعت کے الفاظ ایک حیرت انگیز اور مسرت آفریں انقلاب ہے۔ کیا اس سے اِس حقیقت کیطرف رہنمائی نہیں ہوتی۔ کہ :۔

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں　　　نظر آتی ہے اس کو اپنی منزل آسمانوں میں

اور پھر یہ آواز کس دَور میں اُٹھ رہی ہے ؟ اس دَور میں جب وہ "مقدس طائفہ علمائے عظام جو دینِ خداوندی کا واحد علمبردار ہونے کا مُدعی ہے ۔ قشقہ برجبین اور زنار بدوش کہیں متحدہ قومیت کے سیلاب میں بہا جا رہا ہے۔ اورکہیں "معاشی مسائل" کو ملتِ اسلامیہ کا مطمحِ نگاہ قرار دے رہا ہے اس دَور میں" مذہب سے بیگانہ" نوجوانوں کے طبقہ سے اِس آواز کا بلند ہونا اسکے سوا اور کیا ہے کہ

پاسباں مل گئے کعبہ کو "صنم خانہ" سے !

جہانتک ہمارا تعلق ہے ہم ان سعادتمند نوجوانوں کے اِس جذبہ کو موجبِ ہزار تبریک و تہنیت سمجھتے ہیں کہ یہی ہیں وہ علائم و آثار جنسے قوم کے مستقبل کا پتہ ملتا ہے۔ ہم اِن سے درخواست کرینگے کہ وہ اپنے اس جوش و ولولہ اور تڑپ و اضطراب کو کسی ہنگامی طوفان کی نذر ہوجانے سے بچائیں اور اپنے لیے گزشتہ صدی کے ائمہ مجاہدین حضرت سید احمد شہید بریلوی اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی علیہ الرحمہ۔ کی زندگی کو نمونہ بنائیں۔ یعنی فکر و نظر کو قرآن کریم کے قالب میں اور اعمال و عزائم کو اُسوۂ حسنہ نبی اکرمؐ کے سانچے میں ڈھالیں کہ دُنیا اپنی فلاح و کامرانی کے لیئے جو راستے جی چاہے اختیار کرے

ایک مردِ مومن اور جماعت مومنین کے لیئے اِس راستے کے علاوہ اور کوئی صراطِ مستقیم نہیں۔ اِس راستہ کے نشانات آج حکیمُ الامت حضرت علاّمہ علیہ الرحمۃ کے ارشادِ گرامی سے ملینگے۔ جب آپ اتباعِ قرآن کریم سے اپنے قلب و دماغ میں پختگی پیدا کرلیں۔ تو پھر دُنیا کی بڑی سی بڑی طاقت سے ٹکرا جایئے خدا کی نصرت آپ کے ساتھ ہوگی۔

بانشہ درویشی درساز و دما دم زن　　　　چو پختہ شدی خود را بر سلطنتِ جم زن

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اِن جواں بخت۔ جواں ہمت۔ جواں سال۔ نونہالانِ ملت کے ارادوں میں استقامت۔ مساعی میں برکات۔ حوصلوں میں بلندی۔ دِل میں جوشِ ایمانی۔ دماغ میں فراستِ قرآنی۔ بازوؤں میں قوت اور قوت میں صحیح نتائج پیدا کرے۔

جوانوں کو میری آہِ سحر دے　　　　پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا! آرزو میری یہی ہے!　　　　مرا نورِ بصیرت عام کر دے　(اقبال)

گزشتہ ماہ جہاں ایک طرف نوجوانِ قوم کیطرف سے اِس قسم کے تابناک آثار نزہت بخش قلب و نظر ہوئے۔ دوسری طرف بعض "بزرگانِ ملت" کیطرف سے ایسی افسوسناک ذہنیت کا مظاہرہ ہوا ہے۔ جو قوم کی بدبختی کا آئینہ دار ہے۔ لارڈ لنلتھگو کی زندگی کی تمام آرزوئیں سمٹ سمٹا کر اس نقطہ پر مرکوز ہو رہی ہیں۔ کہ کسی نہ کسی طرح انکے عہدِ "گوسالہ پرستی" میں فیڈریشن کا نفاذ ہوجائے۔ قرائن سے ظاہر ہے کہ ہندو نے اپنے روایتی بنیاپن کی بنا پر انگریز سے سودا کرلیا ہے۔ ریاستیں بھی کسی بُتِ طنّاز کے جبینِ ابرو کی تاب نہ لاکر سجدہ ریز نہیں تو کم ازکم خمیدہ کمر ضرور ہو چکی ہیں۔ اب خداوندانِ لندن اور شملہ کو خدشہ صرف مسلمانوں کیطرف سے ہے۔ چونکہ فیڈریشن جس شکل میں انگریز اور ہندو ملکر اسے نافذ کرنا چاہتے ہیں مسلمانوں کے لیئے "ملی خودکشی" کا حکم رکھتی ہے۔ اسلیئے وہ ارباب حل و عقد جنہیں اللہ تعالےٰ نے دردِ ملت اور سیاسی بصیرت کی نعمتوں سے نوازا ہے۔ بار بار اس کی مخالفت کا اعلان کر رہے ہیں۔ مخالفت کی یہ آواز انگریز کو کس طرح بھا سکتی ہے؛ کاسہ لیسانِ ازلی کا گروہ ہمیشہ ایسے مواقع کی تلاش میں رہتا ہے کہ جہاں انکے خداوندانِ نعمت کو کسی

طرف سے خلش وکاوش پیدا ہو۔ وہ اپنی خدماتِ جلیلہ پیش کردیں تاکہ انکے صلہ میں اُنکے جذبات جاہ پرستی کی تسکین کا سامان فراہم ہوجائے۔ اربابِ حکومت کے پاس اِن بندگانِ حرص و آز کے لیئے بڑی بڑی کشش کے سامان موجود ہیں۔

فرنگ آیینِ رزّاقی بداند ٭ ٭ بایں بخشد ازو وامی ستاند
بہ شیطاں آنچناں رندی رساند کہ یزداں اندراں حیراں بماند

پھر فیڈریشن کے معاملہ میں وہ اِس حربہ کو کیوں نہ استعمال کرے۔ چنانچہ سمائے لندن و شملہ سے احکامات نازل ہوئے اور یہ کٹھ پتلیاں انکے اشاروں پر رقص کرنے لگیں۔ کسی نے فیڈریشن کی مخالفت کو جنون بتایا۔ کسی نے اس کی متبادل اسکیم کو خیال خام سے تعبیر کیا۔ کہیں لیگ میں تشتت وانتشار پیدا ہوجانے کی دھمکی دی۔ کہیں اپنے آقایانِ نعمت کو یقین (موہوم) دلایا کہ قوم (جسکے یہ "ترجمان" ہیں) فیڈریشن کے لیے بالکل آمادہ ہے۔ غرضیکہ ہر ایک نے ملتِ اسلامیہ سے غدّاری اور اپنے "خداؤں" سے وفاشعاری کا ثبوت دیا۔ اور انہیں ایسا کرنا بھی چاہیئے کہ ؎

اگر ایں آب وجاہے از فرنگ است جبینِ خودمنہ جز بر درِ او ٭
سریں راہم بہ پوشش دہ کہ آخر ٭ حقے دارد بہ عنبرِ پالاں گیرِ او ٭

یہ ہے انکا مسلک! دِل میں خودی موجود ہو تو وہ بتائے کہ ؎

اے طائرِ لاہوتی اِس رزق سے موت اچھی جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

٭

تقسیم ہندوستان کے متعلق دو اور اسکیمیں سامنے آگئی ہیں۔ ایک نواب آف ممدوٹ کی طرف سے اور دوسری سر سکندر حیات خاں کی جانب سے۔ سر سکندر کی اسکیم کی تفصیلات ہنوز صیغۂ راز میں ہیں۔ لیکن جو کچھ انکے بیان کردہ اشارات سے مترشح ہوتا ہے۔ اسکے پیشِ نظر تو ہم بھی سمجھتے ہیں کہ یہ اسکیم ملت اسلامیہ کے لیئے مفید نہیں ہوسکتی، پنجاب کے ساتھ راجپوتانہ کی ہندو ریاستوں کو ملانا یہاں کی رہی سہی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کردینے کے مرادف ہوگا۔ باقی رہی نواب

آف ممدوٹ کی اسکیم۔ سو اس میں اور ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب کی اسکیم میں کچھ زیادہ فرق نہیں۔ اسوقت جتنی اسکیمیں سامنے آئی ہیں۔ ان میں تو فی الجملہ ڈاکٹر صاحب کی اسکیم بہترین نظر آتی ہے۔ اسلیئے کہ یہ "پاکستان" کے اس نظریہ کے زیادہ قریب ہے جو ہندوستان کے مسلمانوں کا واحد نصب العین ہونا چاہیئے۔ خدا کرے کہ اربابِ لیگ ان اسکیموں کے متعلق بہت جلد کسی نتیجہ پر پہونچکر کسی متفقہ فیصلہ کو اپنا نصب العین قرار دیدیں۔ ہمیں احساس ہے کہ یہ معاملات جلد بازی سے طے نہیں ہوا کرتے لیکن وقت کا تقاضا کچھ ایسا ہی ہے کہ:۔

پیش کر غافل اگر کوئی عمل دفتر میں ہے۔

خدا کرے کہ لاہور کے اجلاس لیگ تک اِس باب میں کوئی حتمی فیصلہ بروئے کار آجائے۔

کبھی سلطنتیں خون کی قیمت سے ملا کرتی تھیں لیکن اِس آئینی تبدیلیوں کے زمانہ میں سلطنت نہیں تو کم از کم سلطنت کا اقتدار و اختیار۔ خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر محض خلوص نیت اور مالی قربانی سے حاصل ہوسکتا ہے۔ اس بیع و شراء کے بازار میں مسلمان سب سے پیچھے تھے۔ کہ اسکے جمہور نادار اور اُمراء بالعموم بیحس واقع ہوئے ہیں۔ متوسط طبقہ عام طور پر صاحب درد بھی ہے اور ایثار پیشہ بھی۔ لیکن جتنا ایثار انکے مقدور میں ہے۔ اس سے حکومت جیسی جنسِ گرانمایہ کی قیمت ادا نہیں ہوسکتی۔ ہمیں حیرت ہے کہ ہمارا اُمراء کا طبقہ بالآخر کس سوچ میں بیٹھا ہے۔ ہندوستان کے دوسرے علاقوں کو چھوڑیئے۔ پنجاب میں ایسے ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنے مکانوں کے نیچے سونے اور چاندی کی کانیں دبائے بیٹھے ہیں وہ اِس بات سے بالکل بے خبر ہیں کہ وہ روپیہ جو ایسے نازک وقت میں ملّت کے کام نہیں آتا دورِ انقلاب میں وبالِ جان بن جایا کرتا ہے اور اس افراتفری کے زمانہ میں سب سے زیادہ تباہی انہی کو آیا کرتی ہے۔ جو ایسے ایسے دفائن و خزائن کے مالک ہوتے ہیں۔ لہٰذا آج اگر کسی اور خیال سے نہیں تو اپنے مستقبل کی حفاظت کی خاطر انہیں چاہیئے کہ اس روپے کو قوم کے قدموں میں ڈھیر کردیں۔ اور پھر دیکھیں کہ تجارتی

نقطۂ خیال" سے بھی یہ سودا کس قدر منافع پیدا کرتا ہے۔ ہم نے یہ بات بر وقت اُنکے گوش گزار کر دی ہے۔ اگر یہ حضرات سمجھ جائیں تو خود بھی بچ جائینگے۔ اور قوم بھی بچ جائیگی۔ ورنہ قوم کے ڈوبنے سے پہلے اِن کی تباہی لازمی ہے۔ خدا کرے کہ جن کانوں تک ہم یہ آواز پہونچانا چاہتے ہیں۔ ان میں گرانبارئ دولت نے ثقل سماعت نہ پیدا کر دیا ہو

تعصب اور تنگ نظری کے معنے یہ ہیں کہ انسان اپنے آپ کو آسمان کی بلندیوں پر سمجھے اور فریقِ مقابل کو "تحت الثریٰ" کے نیچے۔ اپنے عیوب بھی محاسن نظر آئیں۔ اور دوسرے کی خوبیاں بھی بُرائیاں بن جائیں۔ کبھی علماء کا طبقہ سب سے زیادہ کشادہ ظرف اور حقائق کا معترف سمجھا جاتا تھا لیکن جب "علم" کا مفہوم بدل جائے تو اسکے نتائج کا بدل جانا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ آج بدبختی سے ہمارا یہی طبقہ بالعموم سب سے زیادہ تنگ نظر واقعہ ہوا ہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہے کہ جنہیں ان سے کسی مسلک میں کچھ اختلاف ہوتا ہے انہیں بدترین مخلوق قرار دیتا ہے۔ جمعیتہ العلماء (مراد آباد) کے خطبہ صدارت میں ارشاد ہوتا ہے :-

"اب دو طبقے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتے ہیں۔ ایک اپنا نصب العین یہ بتاتا ہے کہ (۱) حکومتِ برطانیہ سے وفاداری استوار کرو۔ اور ان کی حکومت اپنے لیے دورِ رحمت سمجھو۔ (۲) ان کی قوم کا کلچر اپنا کلچر بناؤ۔ ..... (۳) دیگر اقوامِ ہند سے علیحدہ ہو کر اپنا سرپرست صرف انگریز کو سمجھو وغیرہ وغیرہ دوسرا بالکل اس کی ضد میں اعلان کرتا ہے اور نوامیس الٰہیہ کے شواہد پیش کرتا ہے (۱) لن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلاً۔ ہرگز مسلمان کسی غیر کی حکومت کو قبول کرنے کو تیار نہیں (۲) اپنی تہذیب تمدن۔ اپنا کلچر محفوظ رکھو۔ کیونکہ انتم الاعلون ان کنتم مومنین تمہاری ہی تہذیب بلند اور ارفع ہے۔ اور تم نے یہ نہ کیا تو ہمیشہ کے لیے اپنی غلامی پر مہر لگا دو گے۔ انکے مقرر کردہ نصاب تعلیم۔ ان کی لکھی ہوئی تاریخیں تم کو ہمیشہ کے لیے

غلامی میں مبتلا کردینگی۔ جس سے نکلنا مشکل ہو گا (۳) تمہیں حق نہیں کہ ہندوؤں سے لڑو کہ وہ تم سے نہیں لڑ رہے۔ اُن سے ملکر متحدہ محاذ انگریز کے خلاف اپنی ملکی آزادی کے لئے قائم کرو"۔ (انصاری ۳۹/۴۴ ۱۱)

مولانا صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے۔ اگر انہیں اِس کی ذمّہ داری کا ذرا بھی احساس ہے تو ہم ان سے بادب دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ فرمائیں کہ وہ کون سی جماعت ہے جسکا نصب العین یہ ہے کہ انگریز کی حکومت کو رحمت سمجھو۔ اسکا کلچر اپنا کلچر بناؤ اور اسے اپنا سرپرست تصور کرو؟ اسکے مقابل مولانا صاحب اپنی جماعت (قومیت پرست) کا یہ مسلک بیان فرماتے ہیں کہ:۔

(۱) کسی غیر کی حکومت قبول نہ کرو۔

(۲) اپنی تہذیب کو محفوظ رکھو۔

(۳) غیروں کے نصاب تعلیم کو اختیار نہ کرو۔

(۴) انگریز کو دشمن سمجھو اور ہندو کو دوست۔

کس قدر شاندار اور نظر فریب الفاظ ہیں لیکن کیا مولانا صاحب ارشاد فرمائینگے۔ کہ:۔

(۱) انگریز کو ہندوستان سے نکال دینے کے بعد (اگر ہندوؤں نے اسے گوارا کیا تو) جو حکومت "متحدہ قومیت" کی رُو سے قائم ہو گی وہ خالصتہً اسلامی حکومت ہو گی یا ہندو اکثریت کی حکومت۔ اگر ہندو اکثریت کی حکومت ہو گی تو کیا اِس حکومت پر اس آیۂ مقدسہ کا اطلاق نہیں ہو سکے گا کہ لَنْ یجعل اللّٰہ للکافرین علی المومنین سبیلاً۔ (اللہ کفار کو مسلمانوں پر غلبہ حکومت نہیں دیگا) اُسوقت ہندو۔ کفار میں شامل ہونگے یا مومنین کہلائینگے؟

(۲) کیا بڑے سے بڑے اکابر قومیت پرست یہ اعلان نہیں کر چکے کہ جب تک ہندوؤں اور مسلمانوں کی جداگانہ تہذیبیں مٹ کر ایک جدید تہذیب میں مدغم نہ ہو جائیں گی۔ متحدہ قومیت کی تشکیل نہیں ہو سکیگی؟ اور کیا اس امر کا بھی مضحکہ نہیں اُڑ چکا کہ مسلمانوں کی جداگانہ تہذیب کون سی ہے؟

(۳) کیا خود جمعیتہ علما، ہند نے اس امر کا اعتراف نہیں کیا کہ وارد ھا کی تعلیمی اسکیم اور اسکا نصاب مرتب کرتے وقت ان حضرات سے مشورہ تک نہیں لیا گیا۔ یہ اسکیم اب ملک میں نافذ ہو لی جا رہی ہے۔ کیا یہ غیروں کا تجویز کردہ نصاب تعلیم نہیں ہے ؟

(۴) کیا انگریز اور ہندو دونوں غیر مسلم نہیں۔ اور کیا تمام غیر مسلموں کی دوستی سے قرآن کریم نے منع نہیں فرمایا ؟ بلا لحاظ اس امر کے کہ انہوں نے تمہارے ساتھ مقاتلہ کیا ہو یا نہ ؟

مولانا صاحب کے خطبہ سے صاف ظاہر ہے کہ جب وہ "غیر" کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے ان حضرات کی مراد صرف انگریز ہوتا ہے۔ ہندو "غیر" نہیں ہے۔ یہ ہے قومیت پرستی !

پھر یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ مولانا صاحب کے نزدیک ہندو مسلمانوں سے لڑتے نہیں نہ لڑتے ہیں۔ اسلئے ان کی دوستی بالکل جائز اور درست ہے۔ کفار سے دوستی کے متعلق اشاعت زیر نظر میں ایک مبسوط مقالہ شائع ہو رہا ہے۔ اسلئے اس مسئلہ کے متعلق کچھ نہیں لکھنا چاہتے۔ البتہ یہ سادہ لوحی ملاحظہ فرمایئے کہ ان حضرات کے نزدیک لڑائی صرف تیغ و سناں اور توپ۔ بندوق کی لڑائی ہے ان ہتھیاروں کو استعمال کیے بغیر اگر کوئی قوم دوسری قوم کا تمام خون چوس جائے۔ پھر بھی وہ دوست ہی رہتی ہے۔ باقی رہا "انگریز کے خلاف محاذ" تو کیا یہ محاذ "متحدہ قومیت" کے بجائے۔ ہندو اور مسلمان اور جداگانہ قوموں میں بین الاقوامی اتحاد کی رو سے قائم نہیں ہو سکتا ! یہی تو بنیادی فرق ہے ہندو اور اسکے ساتھ مسلمان قومیت پرست حضرات۔ مسلمانوں کو ایک جداگانہ قوم تسلیم نہیں کرتے اور اسلام۔ مسلمانوں کو ساری دنیا سے الگ۔ غیر مخلوط قوم قرار دیتا ہے۔

یہ ہے ہمارے ان "علمائے عظام" کی سیاسی بصیرت اور کشادہ ظرفی !

کفار سے دوستی!

قرآن کریم کی تحریف معنوی کا ایک حسرت آفرین منظر

(ایک مسلمان)

دنیا میں بعض لوگ فطرۃً غلام ہوتے ہیں۔ محکومی ان کی سرشت میں مضمر اور عبودیت انکے خمیر میں داخل ہوتی ہے۔ انکا مسلک زندگی ہوتا ہے۔ ہر صاحب اقتدار کے سامنے جھکنا۔ اسکی خوشنودی حاصل کرنا۔ انہیں اس سے غرض نہیں ہوتی کہ صاحب قوت و سطوت کون ہے، وہ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ طاقت کہاں ہے؟ جہاں طاقت نظر آئے ان کی جبین نیاز وہیں سجدہ ریز ہو جاتی ہے۔ کہ:۔

طواف اندر سرشتِ برہمن است

ایسے غلام فطرت انسانوں کے بالعموم دو طبقے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو کھلے بندوں صاحب غلبہ و اختیار کی خوشامد کرتے ہیں۔ ان کی بارگاہِ عالیہ میں تمنائے قرب ان کی زلیت کا سہارا اور اسکا حصول ان کے نزدیک حاصلِ زندگی ہوتا ہے۔ وہ اس کی خاطر۔ جائز و ناجائز ہر قسم کے وسائل اختیار کرتے ہیں۔ اور "حکومت پرست" کہلانے میں انتہائی عزت و مسرت محسوس کرتے ہیں۔ یہ لوگ چونکہ کھلم کھلا طوقِ غلامی زیب گلو کرتے ہیں۔ اس لیے دوسرے انسان اُن کی نسبت دھوکا نہیں کھا سکتے۔ اسکے برعکس انہی لوگوں کا ایک اور طبقہ ہے۔ جو اپنی اس خوئے غلامی کو تقدس کا پیرہن اوڑھا کر اپنے خبثِ باطن کو مذہب کی آڑ میں چھپاتے ہیں۔ اور یوں خدا۔ اسکے رسولؐ۔ اور ملتِ اسلامیہ کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہوتی ہے۔ کہ وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝ (۲/۹) وہ خود اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں۔ اور نہیں سمجھتے کہ کیا کر رہے ہیں۔ یہ ہے وہ طبقہ جو ملت کے لیے ہمیشہ رہزن

ایمان و حریت ثابت ہوتا ہے! اور ان سے بچنا ہمیشہ متاعِ دین و تقویٰ کے تحفظ کا موجب ان میں سے کچھ تو محض بنا بر جہالت ایسا مسلک اختیار کرتے ہیں۔ لیکن اکثر نفس پرستی کا شکار ہو کر جلب منفعت کی خاطر ایسا کرتے ہیں۔ یہی طبقہ تھا کہ جب اُسنے مُلک میں انگریز کا غلبہ دیکھا تو کتاب و سنت کو اپنے جذباتِ رذیلہ کے ابلہ فریب غلافوں میں لپیٹ کر آگے بڑھا کہیں "حاکم وقت" کی اطاعت کو فریضۂ خداوندی قرار دیا۔ کہیں اسے "اولی الامر منکم" ٹھیرا کر اسکی فرمان پذیری کو (نعوذ باللہ) خدا و رسولؐ کی اتباع کے قائمقام بنایا۔ کہیں اس کی خاطر "جہاد بالسیف" کو حرام قرار دیا۔ اور کہیں "لا تفسدوا فی الارض" کی نصِ صریحہ سے اسکے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کا خیال تک لا کفر کے مرادف بنایا۔ غرضیکہ یہ تھا وہ گروہِ حاملانِ دینِ متین اور مفتیانِ شرعِ متین "جسنے اپنی نفس پرستی کی خاطر غیر خدا کی غلامی کی بدترین لعنت کو نعمتِ الٰہی موہبتِ ربانی بنا کر دکھایا۔ اور یوں مذہب کی آڑ میں اپنے جذباتِ ردّیہ اور خواہشاتِ دنیاوی کی تسکین کا سامان بہم پہونچایا ---- وہ زمانہ گزر گیا۔ اب انگریز کا اقتدار رفتہ رفتہ کم ہوتا جا رہا ہے۔ اور حکومت آہستہ آہستہ ہندو کے ہاتھ میں منتقل ہوتی جا رہی ہے۔ اس تبدیلی کے ساتھ ہی اس غلام فطرت نفس پرست طبقہ نے بھی اپنے سجدوں کی سمت میں تبدیلی پیدا کرنا شروع کر دی ہے۔ اب انھوں نے اظہار تعبد و تذلل میں اپنی "نماز وں" کا رُخ لندن سے آنند بھون کی طرف پھیر لیا ہے۔ اربابِ اقتدار کی خوشنودیٔ مزاج کے لیے کہیں ہندو مسلم امتیاز مٹا کر ایک متحدہ قومیت کا نظریہ وضع کیا جا رہا ہے۔ تاکہ اکثریت نہایت اطمینان و سکون سے پورے مُلک پر حکومت کر سکے۔ کہیں تمام مذاہب میں "عالمگیر سچائی" کے وجود کو تسلیم کرایا جا رہا ہے تاکہ خداوندانِ حکومت یہ کہہ کر انھیں بابِ عالی سے دھتکار نہ دیں کہ تم ہمارے مذہب کو اپنے مذہب سے کمتر درجہ دے رہے ہو۔ کہیں اہنسا کو ہمسا پر فضیلت دے کر حرمتِ جہاد کے اسی دیرینہ ملت کش فتویٰ کو نئے قالب میں پیش کیا جا رہا ہے۔ متحدہ قومیت کے راستہ میں سب سے بڑا روڑا یہ تھا کہ قرآنِ کریم مسلمانوں کو کفار کی دوستی سے بڑی شدت سے منع کرتا ہے لیکن

قرآن کو تو یہ حضرات ہمیشہ اپنے خیالات کے تابع چلاتے ہیں۔ اس لیے اب یہ آواز بلند ہونی شروع ہو گئی ہے۔ کہ قرآن کریم صرف اُن کفار کی دوستی سے روکتا ہے۔ جنھوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ و قتال کیا ہو۔ عام کفار کی دوستی سے منع نہیں کرتا۔ لہٰذا انگریز سے دوستی تو حرام ہے۔ لیکن ہندو سے دوستی عین قرآنی تعلیم کے مطابق ہے۔ (استغفراللہ) یہ تو اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار احسان ہے کہ اسنے اپنی کتابِ مُبین کے ایک ایک لفظ پر بڑے بڑے زبردست پہرے دار بٹھا رکھے ہیں۔ کہ کسی کی مجال نہیں کہ انہیں اپنی جگہ سے ہلا سکے۔ ورنہ جو لوگ قرآن کریم میں اس درجہ تحریفِ معنوی کی جرأت کر سکتے ہیں، ان سے یہ کب بعید تھا کہ وہ الفاظِ قرآنی میں بھی (نعوذ باللہ) اپنی مرضی کے مطابق ردّ و بدل کر ڈالتے۔ کتبِ سابقہ میں جو ردّ بدل ہوا وہ بھی ایسی ہی دسیسہ کاریوں کا شرمندۂ احسان تھا۔ آیئے ہم دیکھیں کہ قرآن کریم کفار سے دوستی کے متعلق کیا حکم دیتا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ قرآن کریم تمام نوعِ انسانی کے ساتھ عدل و انصاف کی تاکید کرتا ہے۔ کہ وہ مساواتِ انسانی کا سب سے بڑا علمبردار ہے۔ لیکن وہ انسانوں کے مختلف طبقات کے فرق کو بھی نظر انداز نہیں کرتا۔ وہ کھلے کھلے الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ کہ ظالم اور مظلوم میں نمایاں فرق ہے۔ اگر تمہیں مظلوم کے ساتھ ہمدردی ہے، تو اس کی مدافعت اور امداد کی خاطر ظالم کی مخالفت کرنی ہوگی۔ تم بیک وقت ظالم اور مظلوم دونوں سے دوستی کے تعلقات قائم نہیں رکھ سکتے۔ مظلوم سے دوستی کا لازمی نتیجہ ظالم سے ترکِ موالات (دوستی چھوڑ دینا) ہوگا۔ اس لیے کہ ظالم کا دوست بھی ظالم ہوتا ہے۔ ان کی مسخ شدہ فطرت کی ہم آہنگی۔ انکے راہ گم کردہ خیالات کی یک جہتی۔ انکے فساد انگیز اعمال کی ہمرنگی۔ ان میں رشتۂ موالات۔ دوستی کا علاقہ پیدا کر دیتی ہے +

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ (۶/۱۲۹)

اور اس طرح ہم ظالمین کو اُنکے اعمال (کی ہمرنگی) وجہ سے ایک دوسرے کا دوست بنا دیتے ہیں۔

دوسرے مقام پر فرمایا:۔

اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۔ وَاللّٰہُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ ۔ ۴۵/۱۹

اور یقیناً ظالمین ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور اللہ تو متقین کا دوست ہے

اِسی اُصولِ وحدت فی الخیال والعمل (فکر و نظر اور اعمال و افعال کی یکسانیت) کے مطابق قرآنِ کریم نے تمام نوعِ انسانی کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک وہ جو دُنیا میں قوانینِ الٰہیہ کے سامنے سر جھکا دیتا ہے۔ اور اس طرح اس زمین پر خدا کی حکومت کا قیام اپنا منتہائے نگاہ قرار دیتا ہے۔ اس گروہ کو مومنین کی جماعت، حزب اللہ کہا گیا ہے۔ اسکے برعکس دوسرا گروہ کفار کا ہے جو اس نظامِ زندگی کو تسلیم نہیں کرتا۔ بلکہ غیر خدا (طاغوتی) قوتوں کے وضع کردہ دستور و آئین کے ماتحت زندگی بسر کرتا ہے۔ چونکہ ان ہر دو جماعتوں کی فطرت میں تضاد۔ سرشت میں تخالف۔ زاویۂ نگاہ میں تباین۔ ذہنیت میں اختلاف۔ لائحہ عمل میں افتراق اور منزلِ مقصود میں بُعد المشرقین ہوتا ہے۔ اِس لیے یہ نہیں ہوسکتا کہ ان دونوں میں باہمی دوستی کے تعلقات استوار ہوں۔ دوستی کے لیے فکر و نظر میں یگانگت۔ قلب و دماغ میں موانست خیال و عمل میں وحدت اور منزلِ مقصود کی یکسانیت ضروری ہے۔ جہاں ان باتوں میں اتحاد و ائتلاف نہ ہو۔ وہاں دوستی کیسی؟ دوستی تو قلبی تعلقات کا نام ہے۔ جب دل ایک دوسرے سے الگ تھلگ ہوں تو دلی تعلقات کس طرح پیدا ہوں۔ کبھی ممکن ہے کہ حکومت کا باغی اور اسکا جانثار سپاہی ایک دوسرے کے دوست ہوں؟ نور اور ظلمت۔ خدا اور شیطان کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے۔ باہمی دوستی کے تعلقات کے لیے قرآن کریم نے تولّیٰ کا لفظ استعمال فرمایا ہے، جسکے معنیٰ ہیں بھروسہ کے تعلقات۔ ایک دوسرے پر کامل اعتماد۔ دلی دوستی۔ محبتِ قلبی۔ اور یہ ہیں وہ تعلقات جو ایک مومن کسی غیر مومن سے کسی حالت میں بھی پیدا نہیں کرسکتا۔ خواہ وہ انگریز ہو۔ خواہ ہندو کہ قرآن کریم کے نزدیک

اس باب میں یہ دونوں ایک ہی شق میں شمار ہوتے ہیں۔ اس لیے قرآن کریم نے فرمایا کہ مومن۔ مومن کا دوست ہوتا ہے۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۹/۷۱

اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست (ولی) ہوتے ہیں۔

اور کفار آپس میں ایک دوسرے کے دوست۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۔ ۸/۷۳

اور کفار ایک دوسرے کے دوست ہیں (اے مسلمانوں) اگر تم نے بھی (باہمی دوستی میں) ایسا ہی (مسلک اختیار) نہ کیا تو (یاد رکھو) زمین میں عظیم الشان فتنہ و فساد برپا ہو جائے گا۔

اس مقام پر یہ نکتہ قابل غور ہے کہ کفار ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں۔ ان کی دوستی میں قدرِ مشترک، وجہِ جامعیت۔ حق کی مخالفت ہوتی ہے۔ ان کے مقابلہ میں اگر مسلمان باہمد گر اُخوت و محبت کے تعلقات نہ رکھیں گے تو دنیا میں فساد عظیم برپا ہو جائے گا (اس فساد کا نظارہ آج خود ہندوستان میں دیکھیے جہاں مسلمان مسلمان کی دوستی کے بجائے کفار کی دوستی اختیار کر رہا ہے اور جو اس کی خلاف کہتا ہے اُسے گردن زدنی قرار دے دیتا ہے۔)

یہاں تک تو ہم نے یہ دیکھا ہے کہ قرآن کریم کی رُو سے مومن کا دوست مومن اور کافر کا دوست کافر ہو سکتا ہے۔ لیکن چوں کہ دنیا میں حق پرست جماعت (حزب اللہ) کے استحکام و استبقا کے لیے یہ اصول اپنے اندر بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ یہ جماعت غیر مسلموں کی جماعت سے ایسے تعلقات پیدا نہ کرلے اس لیے قرآن کریم نے بالکل صاف اور واضح الفاظ میں اس کی ممانعت فرما دی۔ اور متعدد مقامات پر اس کی تکرار سے اس کی اہمیت اچھی طرح ذہن نشین کرا دی۔ فرمایا۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ

وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۔ ۳/۲۸

جو لوگ ایمان والے ہیں انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ مومنوں کو چھوڑ کر کفار سے دوستی کے تعلقات پیدا کریں۔ جس کسی نے ایسا کیا (تو وہ یاد رکھے کہ) اس کا اللہ کے ساتھ کوئی سروکار نہیں رہا۔ بلکہ تمہیں چاہیئے کہ ان سے اپنے بچاؤ کا پورا پورا انتظام کرو۔ اور اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے (کسی اور سے مت ڈرو)۔ اور (انجام کار) اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔

کفار سے دوستی نہ پیدا کرو اور ان کی طرف سے اپنی حفاظت کا پورا پورا بندوبست رکھو اس لیے کہ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۔ ۴/۱۰۱ ۔ یقیناً کفار تمہارے کھلے کھلے دشمن ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی سلیم العقل انسان اپنے کھلے دشمن کو دوست بنا کر اپنی آستین میں سانپ پالنے کی حماقت نہیں کر سکتا

اس مقام پر قرآن کریم نے کفار کو جماعتِ مومنین کا "کھلا ہوا دشمن" کہا ہے۔ اور متعدد مقامات پر شیطان کو بھی کھلا ہوا دشمن (عدوٌ مبین) قرار دیا ہے۔ کفار اور شیطان میں قدر مشترک یہ ہے کہ دونوں قوانین الٰہیہ سے سرکشی کرنے والے ہیں۔ اس لیے جس طرح کفار ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں۔ کفار اور شیاطین بھی باہمدگر دوست ہوتے ہیں۔

اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۔ ۷/۲۷

یقیناً ہم نے شیاطین کو ان لوگوں کا دوست بنایا ہے جو ایمان نہیں لاتے

اور اگر اپنے آپ کو مومن کہلانے والے حکومت خداوندی سے بغاوت کرنے والے شیاطین کی دوستی اختیار کر لیں تو ان کے متعلق ارشاد ہے۔

فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۔ ۷/۳۰

(تمہارے دو گروہ ہو گئے) ایک گروہ کو (سیدھی) راہ دکھائی۔ اور دوسرے پر گمراہی ثابت ہو گئی (اسی لیے کہ) ان لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا دوست بنا لیا۔ باایں

یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ راست پر ہیں۔

آپ نے غور فرمایا کہ یہ کونسا گروہ ہے۔ وہ گروہ جو بزعم خویش یہ سمجھتا ہے کہ ہم بالکل راہ راست پر ہیں۔ گمراہ وہیں جو کفار کی دوستی سے منع کرتے ہیں اور خالصتہً مسلمانوں کی الگ غیر مخلوط جماعت میں باہمد گر اخوت و مودت کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ یہ شیاطین جن سے دوستی رکھنے والوں کے متعلق فرمایا کہ ان پر گمراہی مسلط ہو چکی ہے۔ قرآن کریم کی رُو سے غیر مسلم جماعتوں کے وہ بڑے سے بڑے سربرآوردہ لوگ ہیں جو اپنی طاغوتی قوتوں کے بل بوتے پر حکومت خداوندی کے قیام کی مخالفت کرتے ہیں اور دین الٰہی کا انکار کرتے ہیں۔ مثلاً منافقین کے متعلق فرمایا:۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۲/۱۴

جب یہ لوگ مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ لیکن جب اپنے شیاطین کے ساتھ خلوت میں بیٹھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم (دل سے تو) تمہارے ہی ساتھ ہیں۔ اُن سے تو ہم تمسخر کرتے ہیں۔

ذرا اپنے گرد و پیش نگاہ ڈالیے اور دیکھئے کہ آج کون مسلمانوں کی جماعت سے اس قسم کا عملی تمسخر کرتے ہیں اور کون کفار کے ساتھ خلوت میں بیٹھ کر ان سے کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ ہماری دوستی کے متعلق اس بات سے کبھی بدگمانی پیدا نہ کرو کہ ہم مسلمانوں سے بھی ملتے جلتے ہیں۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۲/۱۶

وہ لوگ جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی ہے۔ لیکن ان کی تجارت انہیں کوئی فائدہ نہ دے گی۔ اور نہ ہی یہ راہِ ہدایت پر رہے۔

یعنے صراطِ مستقیم کو بھی کھو بیٹھے۔ اور جس دنیاوی تجارت کی خاطر کفار کی دوستی اختیار کی تھی وہ بھی کچھ سودمند ثابت نہ ہوئی (اور عاقبت کا خسارہ اس پر مستزاد ہے) اس لیے کہ یہ جتنا جی چاہے دوستی کا دم بھریں کفار تو انہیں اپنی مطلب براری کے لیے ساتھ رکھتے ہیں اور اسی چیز کی قیمت ادا کرتے ہیں جب مطلب نکل

جائے گا تو پھر انہیں کون پوچھے گا۔

یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ "منافقین" نبی اکرمؐ کے عہد مسعود کی کسی خاص جماعت کا نام تھا۔ بلکہ یہ وہ طبقہ ہے جو ہر زمانے میں موجود رہتا ہے۔ جن کے متعلق فرمایا۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۙ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا۔ ۴/۱۳۸-۳۹

(اے رسول) تم منافقین کو یہ خوش خبری سنا دو کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے یعنے وہ لوگ جو مسلمانوں کے سوا کفار کو اپنا دوست بناتے ہیں کیا یہ لوگ کفار کے پاس عزت تلاش کرنے جاتے ہیں؟ اگر ایسا ہی ہے تو یاد رکھیں کہ (عزت جتنی بھی ہے سب کی سب اللہ ہی کے لیے ہے (یعنے اُسی کے قبضۂ اختیار میں ہے۔)

غور فرمایئے اس حقیقت کی طرف کہ یہ لوگ غیروں کے ہاں عزت حاصل کرنے کے لیے جاتے ہیں۔ یہ صورت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کوئی مسلمان اپنی جماعت کی برومندی اور اسلام کے مستقبل سے (نعوذ باللہ) مایوس ہو جائے اور اپنے اندر اتنی جرأت بھی نہ رکھے علانیہ کفر کا اقرار کرلے۔

مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۡ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا۔ ۴/۱۴۳

کفر و ایمان کے درمیان متردد (کھڑے) ہیں نہ تو ادھر ہیں نہ اُدھر۔ (حقیقت یہ ہے کہ) جس پر اللہ راہ گم کر دے (یعنے اس کے قوانین کے مطابق راہ سعادت گم ہو جائے) تو تم اس کے لیے کوئی راہ نہیں نکال سکتے۔

اسی لیے اس کی ملحقہ آیات میں فرمایا:۔

"مسلمانوں! ایسا نہ کرو کہ مسلمانوں کے سوا کفار کو اپنا دوست بنا لو کیا تم چاہتے ہو کہ خدا کا صریح الزام اپنے اوپر لے لو۔ بلاشبہ منافق دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ڈالے جائیں گے۔ اور اس دن تم کسی کو بھی ان کا رفیق و مددگار نہ پاؤ گے ۴/۱۴۴-۴۵

دیکھا آپ نے! کفّار کی دوستی اور منافقت کیسے ساتھ ساتھ جارہی ہے۔ پھر جس طرح کفّار کے متعلق فرمایا کہ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اسی طرح منافقین کے متعلق بھی فرمایا۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۔ ۹/۶۷

منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔

لہٰذا مسلمانوں کو جہاں کفار کی دوستی سے منع فرمایا ہے وہاں منافقین کی دوستی سے بھی روک دیا۔ اس لیے کہ کفّار اور منافقین میں فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ آخر الذّکر مردم شماری کے رجسٹر میں اپنا نام مسلمانوں جیسا لکھاتے ہیں اور یہی چیز ہے جو دوسروں کے لیے فریب خوری کا موجب بن جاتی ہے چوں کہ قرآن کریم کے سامنے فطرت انسانی کا کوئی گوشہ چھپا نہیں اس لیے اس نے منافقین کے ذیل میں اس گروہ کا بھی ذکر کردیا۔ جو اُن کے فریب میں آکر اُن سے موالات و محبّت کی سفارش کرتا ہے۔ فرمایا۔

"مسلمانوں تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم منافقوں کے بارے میں دو فریق بن گئے ہو۔ حالاں کہ اللہ نے ان کی بدعملیوں کی وجہ سے انہیں الٹا دیا ہے (اور وہ راہِ حق سے پھر چکے ہیں) کیا تم چاہتے ہو کہ ایسے لوگوں کو راہ دکھا دو جن پر خدا (کے قوانین) نے راہ گم کردی ہو۔ یاد رکھو جس پر اللہ راہ گم کردے۔ تم اس کے لیے کوئی راہ نہیں نکال سکتے۔ ان منافقین کی دلی تمنا یہ ہے کہ جس طرح اُنہوں نے کفر کی راہ اختیار کرلی ہے۔ تم بھی کرلو۔ اور تم سب ایک ہی طرح کے ہو جاؤ۔ پس دیکھو۔ جب تک یہ لوگ اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کریں۔ تمہیں چاہیئے کہ ان میں سے کسی کو اپنا دوست اور مددگار نہ بناؤ۔ اور اگر یہ ایسا نہ کریں تو انہیں گرفتار کرو اور جہاں کہیں پاؤ قتل کرو۔ اور نہ تو کسی کو اپنا دوست بناؤ نہ مددگار۔" ۴/۸۸-۸۹

ایک مرتبہ پھر اس حقیقت کو سمجھ لیجئے کہ منافقین صرف نبیِ اکرمؐ کے زمانۂ مبارک کے کسی خاص گروہ کا نام نہیں بلکہ یہ لوگ ہر زمانے میں موجود رہتے ہیں اور کفار کے ساتھ دوست داری کے تعلقات قائم کرتے ہیں۔ بقول مولانا ابوالکلام صاحب آزاد۔ "کفر کی طرح نفاق بھی محض عہد نزول ہی کی پیداوار نہ تھا ہمیشہ ظہور میں آنے والی گمراہی تھی اور انسان کی گمراہیاں کسی خاص عہد و نسل کی نہیں بلکہ نوع انسانی کی گمراہیاں ہوتی ہیں۔"

(ترجمان القرآن ج ۲، ص ۱۳۸)

کفار اور منافقین کی دوستی سے منع کیوں کیا گیا۔ اس کی تفصیل سورۂ آل عمران کی ان آیات میں ملیگی جہاں فرمایا۔

"اے ایمان والو۔ اپنوں کے سوا کسی اور کو اپنا ہمراز و معتمد نہ بناؤ۔ یہ لوگ تمہاری تخریب میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھیں گے۔ وہ تمہاری ضرر رسانی کی تمنا رکھتے ہیں بعض (منصوبے) تو ان کے منہ سے ظاہر ہو جاتے ہیں لیکن جس قدر ان کے دل میں چھپا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔ ہم آیات تمہارے سامنے ظاہر کر چکے ہیں اگر تم سمجھنے والے ہو تو۔ تم ان لوگوں سے محبت کرتے ہو لیکن وہ کبھی تمہارے ساتھ محبت نہیں رکھتے۔ حالاں کہ تم تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو۔ جب یہ تم سے ملتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم بھی ان باتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور جب تم سے الگ ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف غصہ میں اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کر کھاتے ہیں۔ کہدو کہ جاؤ۔ جوش غضب میں اپنے آپ کو ہلاک کرلو۔ اللہ دلوں کے حالات سے باخبر ہے۔ اگر تمہارے لیے کوئی بھلائی کی بات ہو جائے تو ان کے لیے موجب غم ہو جاتی ہے اور اگر تم پر کوئی مصیبت آجائے تو یہ اس سے خوش ہوتے ہیں۔ اگر تم ثابت قدمی سے رہو اور ان سے اپنی حفاظت کرتے رہو تو ان لوگوں کی تدبیریں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گی۔ اللہ ان کے اعمال کو محیط ہے۔" ۳/۱۱۸-۱۱۹

جیسا کہ ہم شروع میں لکھ چکے ہیں قرآن کریم کی رو سے دنیا میں دوست داری کے تعلقات کے لیے رشتہ صرف ایمان و تقویٰ کا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی رشتہ نہیں۔ ہم وطن ہونا تو ایک طرف اگر کسی مسلمان کا حقیقی بھائی رشتہ ایمان کی بنا پر اسلامی برادری میں شریک نہیں ہوا۔ تو اس سے بھی دوست داری کے تعلقات قائم نہیں کیے جاسکتے۔ فرمایا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۔ ۹/۲۳

اے مسلمانوں، اگر تمہارے باپ اور تمہارے بھائی ایمان کے مقابلے میں کفر کو عزیز رکھیں

تو انہیں اپنا دوست مت بناؤ اور جو کوئی ان سے دوستی کے تعلقات قائم کرے گا۔ تو ایسے ہی لوگ ہیں جو ظالم ہیں۔

سورۂ مجادلہ میں فرمایا۔

"تم کبھی ایسا نہ دیکھو گے کہ وہ لوگ جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہیں ان لوگوں سے دوستی کے تعلقات قائم کرنے لگیں جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں۔ خواہ وہ ان کے اپنے باپ۔ اپنے بھائی اور اپنے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ (اوّل الذکر) وہ لوگ ہیں جن کے دل میں اللہ نے ایمان کو نقش کر دیا ہے۔ اور وہ اپنی رحمت (روح) سے ان کی مدد کرتا ہے۔ اور انہیں ان باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جس میں یہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان لوگوں سے راضی ہو گیا اور یہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ یہ لوگ ہیں اللہ کی جماعت (حزب اللہ) اور یاد رکھو کہ کامیابی صرف اللہ کی جماعت کے لیے ہے۔ ۵۸/۲۲

قرآن کریم نے ملت اسلامیہ کے موسس اولیٰ حضرت ابراہیمؑ کے مسلک و مشرب کو مسلمانوں کے لیے اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے۔ یہ حکم کس مقام پر ہے غور فرمائیے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ. كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ ۶۰/۴

مسلمانوں۔ تمہارے لیے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کی زندگی میں ایک بہترین نمونہ ہے جب اُنہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے اور جن کی تم۔ اللہ کو چھوڑ کر۔ پرستش کرتے ہو۔ بیزار ہیں ہم تمہارے ساتھ (ہر قسم کے تعلقات سے) انکاری ہیں۔ ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے بغاوت اور بغض ظاہر ہے۔ جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔

آپ نے غور فرمایا کہ غیر مسلموں سے دوست داری کے تعلقات قائم کرنے کے لیے شرط کیا ہے؟ حتّٰی تؤمنوا باللہ یعنے جب تک ایک کافر و مشرک اسلام لا کر جماعتِ مومنین میں داخل نہیں ہو جاتا۔ اس سے دوستی کے تعلقات قائم

نہیں کئے جا سکتے۔ چنانچہ سورۂ توبہ میں مشرکین کے متعلق فرمایا۔

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ .. ۹/۱۱

اگر یہ لوگ (اپنے کفر و شرک سے) توبہ کرلیں۔ اور نماز قائم کریں۔ اور زکوٰۃ ادا کریں تو پھر یہ تمہارے دینی بھائی ہو جائیں گے۔

اس لیے کہ :-

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۔ ۵/۵۵

اے مسلمانو۔ تمہارے دوست تو صرف اللہ۔ اس کا رسول۔ اور وہ جماعت مسلمین ہے جو نماز قائم کرتے ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور (ہر حال میں) اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں۔

بس یہ ہے ایک شکل غیر مسلموں سے مودت و مواخات۔ تولیٰ اور دوست داری کی۔ یعنے وہ اسلام قبول کریں اس میں مشرک کافر۔ یہود۔ نصاریٰ۔ سب داخل ہیں۔ جب تک یہ لوگ اسلام قبول نہ کریں ان سے دوستی کے تعلقات قائم نہیں کیے جا سکتے۔ فرمایا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۔ ۵/۵۱

اے ایمان والو۔ یہود اور نصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ۔ وہ باہمد گر ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور تم میں سے جو شخص ان سے دوستی قائم کرے گا تو وہ بھی انہی میں کا ایک ہو جائیگا یقیناً اللہ ظالمین کو راہ ہدایت نہیں دکھاتا۔

اس لیے کہ ان کا۔ اور جملہ کفار کا شیوہ، حق کی مخالفت اور قوانین الہیہ کی تضحیک و استہزا ہے۔ فرمایا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَاۗءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۵/۵۷

اے ایمان والو۔ اہل کتاب اور کفار جن کا شیوہ یہ ہے کہ وہ تمہارے دین سے استہزا کرتے

ہیں۔ انہیں کبھی اپنا دوست نہ بناؤ۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اگر تم مومن ہو تو۔

سورۂ فاتحہ میں دو جماعتوں کا ذکر ہے جو ایک دوسرے سے بالکل متمیز ہیں۔ ایک وہ جنہیں "منعم علیہ" کی جماعت کہا گیا ہے۔ یعنے وہ جن پر اللہ کے انعام واکرام کی بارش ہے۔ دوسری وہ جن پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے قرآن کریم کے دیگر مقامات میں ان دونوں جماعتوں کی تفصیل وتشریح موجود ہے۔ پہلی جماعت اللہ پر ایمان رکھنے والوں کی اور دوسری کفار کی ہے۔ اس لیے ایسے لوگوں سے دوستی کے تعلقات قائم کرنے سے بالتصریح روک دیا گیا ہے۔ فرمایا

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۔ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ وَ يَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۔ ۵۸/۱۴ (نیز دیکھو ۶۰/۱۳)

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ایسے لوگوں سے دوستی پیدا کرتے ہیں جن پر اللہ نے اپنا غضب نازل کر رکھا ہے۔ ایسے لوگ نہ تم میں سے ہیں۔ نہ اُن میں سے۔ اور وہ دیدہ دانستہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں (کہ وہ تم میں سے ہیں)۔

سورۂ انعام میں یہودیوں کے متعلق فرمایا کہ یہ لوگ کفار کی دوستی اختیار کرتے ہیں اس لیے کہ ان پر خدا کا عذاب مسلط ہے۔ اگر یہ اسلام قبول کر لیتے تو کبھی کفار کو دوست نہ بناتے۔

"تم دیکھو گے کہ ان میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو کفر کرنے والوں سے دوست داری کے تعلقات قائم کرتے ہیں۔ کیا ہی بُری بات ہے جو ان کے نفسوں نے ان کے لیے تیار کر دی ہے کہ ان پر خدا کا غضب ہو اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اور اگر یہ لوگ اللہ پر۔ اس کے رسولؐ اور جو کتاب اس پر نازل ہوئی ہے اس پر ایمان رکھتے تو (کفار کو) اپنا دوست نہ بناتے لیکن ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔" ۵/۸۰-۸۱

اور قرآن کریم ایک مردِ مومن کے صحیح ایمان وعمل کا تو معیار ہی یہ قرار دیتا ہے کہ وہ ثابت کرے کہ اس کے دل میں خدا۔ رسول اور اپنی جماعت مسلمین کے علاوہ کسی اور کی محبت کا شائبہ تک نہیں۔ فرمایا:۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ

دُونِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۔ ۹/۱۶

کیا تم سمجھتے ہو کہ تم یونہی چھوڑ دیے جاؤ گے حالاں کہ ابھی اللہ نے یہ تو آزمایا ہی نہیں کہ تم میں سے کون میدانِ جہاد میں پورا اترتا ہے۔ اور اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی اور کو اپنا دلی دوست نہیں بناتا۔ اور اللہ کو تمہارے اعمال کی خبر ہے

قرآن کریم کی یہ نصوص صریحہ آپ کے سامنے ہیں۔ ان سے آپ خود فیصلہ کر لیجئے کہ غیر مسلموں کی دوستی کے متعلق اللہ تعالیٰ کا کیا حکم ہے۔ اور وہ حکم کس تاکید اور شدت سے ہے۔ یہ بھی آپ نے دیکھ لیا کہ یہ حکم عام کفار کے متعلق ہے۔ کفار کی کسی خاص جماعت سے متعلق نہیں۔ وہ کفار جو مسلمانوں کے خلاف عملاً جنگ و قتال میں مصروف ہوں۔ اور وہ جو اس طرح مصروف نہ ہوں۔ سب کے سب ان احکام میں شامل ہیں۔ کفار، حکومت خداوندی کے باغی ہیں اور یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا کا کوئی وفادار بندہ ایسے باغیوں سے دوستی کے تعلقات پیدا کرے ان کے ساتھ دوستی کی شرط صرف ایک ہے یعنے (حتّٰی تومنو باللہ) ۔ کہ وہ اسلام قبول کر کے مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو جائیں۔ اگر یہ شرط پوری نہیں ہوتی تو خواہ وہ مسلمانوں کے باپ بھائی، اور عزیز رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ اگر وہ کفر کو ایمان پر ترجیح دیتے ہیں۔ (اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ) تو ان سے کبھی دوستانہ تعلقات قائم نہیں کیے جا سکتے۔ اس میں شبہ نہیں کہ قرآن کریم نے ان کفار کا بھی ذکر کیا ہے جو مسلمانوں سے عملاً برسرِ پیکار ہوں لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے تذکرہ سے مقصود یہ ہے کہ دوستی کے تعلقات کی ممانعت صرف انہی کفار سے ہے۔ عام کفار سے نہیں۔ ایسا سمجھنا قرآن کریم کے ان تمام مقامات سے آنکھیں بند کر لینا ہے جن میں اس حکم کی تعمیم ہے (اور جنہیں ہم اوپر دیکھ چکے ہیں) سورہ ممتحنہ میں ہے۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ ۶۰/۸

جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ان کے بارے میں اللہ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان کے ساتھ احسان و مروت (یعنی

اور عدل و انصاف (قسط) کا سلوک کرو۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا۔

إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۔ ۶۰/۹

اللہ تمہیں ان لوگوں سے دوستی کے تعلقات پیدا کرنے سے روکتا ہے جو تمہارے ساتھ دین کے معاملہ میں لڑے ہوں اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکال دیا ہو۔ یا جنہوں نے ان لوگوں کی مدد کی ہو جنہوں نے تمہیں جلاوطن کیا ہے۔ اس لیے جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا وہ ظالمین سے ہوگا

اس آیت کو اگر باقی قرآن کریم سے الگ ہٹا کر دیکھا جائے تو یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ دوستی کے تعلقات کی ممانعت صرف ان کفار سے ہی جو محارب ہوں (یعنے جنہوں نے مسلمانوں سے جنگ کی ہو) لیکن جو شخص اس آیت کو دیگر آیات متعلقہ سے ملا کر پڑھتا ہے۔ وہ کبھی اس شبہ میں نہیں پڑ سکتا۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں۔ قرآن کریم کے متعدد مقامات میں تمام کفار سے (بلا تخصیص اس امر کے کہ انہوں نے عملاً قتال کیا ہو یا نہ) دوستی کے تعلقات سے منع کیا گیا ہے۔ ان احکام کی موجودگی میں صرف اس ایک آیت سے یہ نتیجہ اخذ کر لینا کہ دوستی کے تعلقات صرف ان کفار سے ممنوع ہیں جنہوں نے قتال کیا ہو۔ یومنون ببعض الکتاب ویکفرون ببعض (قرآن کے ایک حصہ پر ایمان اور دوسرے سے کفر) کی عملی تفسیر ہے۔ اگر دوستی کی ممانعت کا حکم صرف ان کفار تک محدود ہوتا جو برسرِ پیکار ہوں تو جس وقت یہ لوگ جنگ سے باز آجاتے اور صلح کر لیتے تو ان سے پھر دوستداری کے تعلقات پیدا کر لیے جا سکتے تھے لیکن قرآن کریم تو دوست داری کے تعلقات قائم کرنے کے لیے صرف ایک شرط ٹھہراتا ہے اور وہ یہ کہ یہ لوگ ایمان لا کر تمہاری جماعت میں شامل ہو جائیں (حتّٰی تومنوا باللہ)۔ اپنے کفر و شرک سے باز آکر مسلمان ہو جائیں (فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ ۔ ۹/۱۱) اور یہ ظاہر ہے کہ تیغ و تفنگ توپ اور بندوق کی لڑائی تو ان جذباتِ بغض و عناد کا محسوس و مشہود مظاہرہ ہے جو عام کفار کے دلوں میں اسلام کے خلاف موج زن رہتے ہیں۔ ورنہ وہ کونسا غیر مسلم ہے جو مسلمانوں کا دشمن نہیں ہے۔ جب قرآن کریم کا یہ کھلا ہوا ارشاد موجود ہو کہ ان الکفرین کانو لکم عدوا مبینا ۴/۱۰۱ (یقیناً تمام کفار تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہیں) تو پھر

دوستی کے معاملہ میں محارب وغیر محارب کفار کی تخصیص اگر قرآن کی کھلی ہوئی مخالفت نہیں تو اور کیا ہے۔ آیت مندرجہ بالا (۶۰/۹) میں امتناعِ دوست داری کے حکم کی تاکید کی ہے۔ اور اس قسم کی مثالیں قرآن کریم میں اور مقامات پر بھی ملتی ہیں۔ مثلاً فرمایا:۔

فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ۔ (۲/۱۹۷)

اور (ایام) حج میں تو عورتوں کی طرف رغبت کرنا جائز ہے۔ نہ کوئی گناہ کی بات اور نہ لڑائی جھگڑا۔

اب اگر کوئی شخص اس آیت سے یہ نتیجہ اخذ کرے کہ فسق و فجور اور باہمی جنگ و جدل سے ممانعت صرف ایامِ حج میں ہے باقی سارا سال بے شک یہ کچھ کرتے رہو۔ تو سوائے اس کے کہ آپ ایسے شخص کی بصیرت کا ماتم کریں اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس آیت کو قرآن کریم کے دیگر احکام متعلقہ کے ساتھ ملا کر دیکھنا ہوگا۔ یا مثلاً سورۃ ممتحنہ کی کی یہی آیت (۶۰/۸) جس میں یہ ارشاد ہے کہ اللہ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ جن لوگوں نے تمہارے ساتھ جنگ و قتال نہ کیا ہو ان سے نیکی اور احسان اور عدل و انصاف کا سلوک کرو۔ تو اس سے بظاہر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جنگ و قتال کرنے والوں سے عدل و انصاف نہیں کرنا چاہیئے۔ ان سے بے انصافی اور ظلم کرنا چاہیئے لیکن یہ نتیجہ اس صورت میں نکلتا ہے کہ آپ اس آیت کو باقی قرآن سے الگ ہٹا کر دیکھیں۔ اگر آپ اس آیت کو آیتِ ذیل سے ملا کر پڑھیں تو مطلب صاف ہو جاتا ہے۔ فرمایا:۔

لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَنْ لَا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ۔

کسی قوم سے دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان سے عدل نہ کرو۔ ہمیشہ عدل کرو کہ وہ تقویٰ سے بہت قریب ہے۔

اب ان آیات کو ملا کر پڑھنے سے واضح ہو گیا کہ:۔

(۱) عدل و انصاف کا حکم تمام انسانوں سے ہے۔ خواہ وہ ہمارے بدترین دشمن ہی کیوں نہ ہوں۔

(۲) احسان و مروّت کی اجازت ان غیر مسلموں سے ہے جو عملاً جنگ میں مصروف نہ ہوں۔

(۳) دوستی اور مودّت کے تعلقات کسی غیر مسلم سے جائز نہیں۔ عام اس کے کہ وہ عملاً شمشیر بکف تمہارے مقابل ہوں یا نہ۔

اس کے بعد آپ خود فیصلہ فرما لیجئے کہ آج یہ فتویٰ دینا کہ انگریز کی دوستی حرام ہے کہ اس نے تمہارے خلاف لڑائیاں کی ہیں۔ لیکن ہندو کی دوستی عین اسلام ہے کہ اس نے تمہاری خوں ریزی نہیں کی ہے۔ اگر قرآن کریم سے کھلی ہوئی بغاوت نہیں تو اور کیا ہے۔ اور تماشا یہ ہے کہ ان حضرات کے نزدیک جنگ صرف وہی جنگ ہے جس میں تلوار کی دھار سے خون بہایا جائے۔ اگر ایک قوم شمشیر و سنان کی مدد کے بغیر اپنی سازشوں اور فریب کاریوں سے دوسری قوم کا تمام خون پی جائے تو اس قوم کو گلے لگائے رکھنا چاہیئے اور اپنا بہترین دوست سمجھنا چاہیئے! قرآنی حقائق سے آنکھیں بند کر لینے کا فطری نتیجہ یہ ہے کہ انسان میں اتنی عقل سلیم بھی باقی نہ رہے کہ وہ ایسی کھلی ہوئی حقیقت کو پہچان سکے۔ سچ فرمایا ہے قرآن کریم نے کہ:-

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ۔ ۲۲/۴۶

ان لوگوں کی آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینہ کے اندر ہیں۔

یوں تو اس قسم کا فتویٰ دینے والے حضرات میں سے ہر ایک کی حالت قابل رحم ہے۔ لیکن ہمیں سب سے زیادہ افسوس مولانا آزاد پر ہے کہ وہ یہ سب کچھ دیدہ و دانستہ کر رہے ہیں۔ اور یوں قوم کو "جہنم" میں لے جانے کے سب سے بڑے ذمہ دار ہیں۔ آپ سورۂ توبہ کے حواشی میں فرماتے ہیں:-

"اس سورت میں جا بجا اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ دشمنوں سے رفاقت و اعانت کے رشتے نہ رکھو اگرچہ وہ تمہارے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں اور دوسری سورتوں میں بھی ایسے ہی احکام موجود ہیں۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ یہ اور اس طرح کے تمام احکام، احکام جنگ میں سے ہیں نہ کہ معیشت و علائق کے تمام احکام اور یہ بات خود قرآن نے جا بجا اس درجہ وضاحت اور قطعیت کے ساتھ واضح کر دی[1] ہے کہ شک اور تردد کی ذرا بھی گنجائش نہیں رہی۔

جہاں تک ایک انسان کے دوسرے انسان کے ساتھ معاملہ کرنے کا تعلق ہے۔ قرآن کہتا ہے، اصل اس باب میں محبت و شفقت ہمدردی و سلوک اور تعاون[2] و سازگاری[3] ہے اس کے سوا

---

[1] مولانا صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کون سے مقامات ہیں جہاں اس امر کی وضاحت اور قطعیت درج ہے

[2] ہر معاملہ میں تعاون نہیں بلکہ صرف بر و تقویٰ کے معاملہ میں تعاون (تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔ منہ

[3] سازگاری سے اگر مراد دوستی ہے تو یہ غلط ہے۔ دوستی صرف مسلمانوں کے ساتھ جائز ہے۔ کفار کے ساتھ نہیں۔ منہ

کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ وہ کہتا ہے ہر انسان دوسرے انسان کا بھائی ہے[1] خواہ اس کا ہم وطن ہو یا نہ ہو۔ ہم نسل ہو یا نہ ہو۔ ہم عقیدہ[2] ہو یا نہ ہو اور امتیاز[3] و تفریق کی وہ تمام باتیں جو اس انسانی بھائی چارگی کا رشتہ قطع کرتی ہیں خدا کی طرف سے نہیں ہیں خود انسانوں کی گھڑی ہوئی معصیت اور گمراہی ہے۔ پیغمبر اسلام کی دعاؤں میں سب سے زیادہ اعتراف اسی حقیقت کا ہوتا تھا کہ "اِنِّیْ اَشْھَدُ اَنَّ الْعِبَادَ[4] کُلَّھُمْ اِخْوَۃٌ" (مسلم) خدایا! میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے تمام بندے آپس میں بھائی بھائی ہیں!

لیکن جب تمام ملک و قوم نے اس دعوت کو بزور شمشیر نابود کر دینے کا فیصلہ کر دیا اور پیروان دعوت پر محض اختلاف عقائد کی بنا پر ظلم و ستم کرنے لگے تو قدرتی طور پر جنگ کی حالت پیدا ہو گئی۔ اب دو فریق ایک دوسرے کے خلاف صف آرا تھے۔ ایک فریق مسلمانوں کا تھا جو اپنا بچاؤ کر رہا تھا۔ دوسرا دشمنوں کا تھا جو حملہ آور تھا۔ پس ایسی حالت میں ناگزیر ہو گیا کہ دوستوں اور دشمنوں میں صاف صاف امتیاز ہو جائے۔ جو دوست ہیں وہ دشمنوں کے کیمپ سے کسی طرح کا تعلق نہ رکھیں جو دشمن ہیں وہ دوستوں سے کسی طرح کی سازش نہ کر سکیں۔ قرآن میں جس قدر احکام عدم موالات کے ہیں وہ سب اسی صورت حال سے تعلق رکھتے ہیں اور اس سورت کی آیت (۲۳) بھی اسی سے متعلق ہے۔

اصل اس باب میں سورۂ ممتحنہ کی یہ آیات ہیں جو ایک ایسے ہی معاملہ کی نسبت نازل ہوئی تھیں

- " خدا تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ ان مشرکوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور انصاف کے ساتھ پیش آؤ جنہوں نے دین کے بارے میں تم سے لڑائی نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ خدا تو تمہیں صرف ان لوگوں کی رفاقت و سازگاری سے روکتا ہے

---

[1] کہاں کہتا ہے؟ شاید بنی آدم ہونے کی جہت سے مولانا صاحب نے ایسا کہہ دیا ہو۔ ورنہ قرآن میں تو ایسا کہیں نہیں کہا گیا۔

[2] یہ غلط ہے۔ اسی سورۂ توبہ کی گیارہویں آیت میں ہے کہ مشرک صرف اس صورت میں تمہارا دینی بھائی بن سکتا ہے جب وہ کفر و شرک سے توبہ کر کے اسلام لے آئے۔ مولانا صاحب ہندوؤں سے سلسلۂ مواخات قائم کرنے کی تڑپ میں یہ کچھ بھی بھول گئے۔ منہ

[3] کفر و ایمان کا امتیاز اگر اللہ تعالیٰ کا قائم کردہ نہیں تو اور کس کا ہے۔ مولانا صاحب اسے "معصیت اور گمراہی" قرار دے رہے ہیں۔ استغفر اللہ۔ منہ

[4] یہاں عباد سے مراد، عباد الرحمٰن (اللہ کے بندے) ہی ہو سکتا ہے۔ عبد الطاغوت اور عبد الرحمٰن دونوں بھائی کیسے ہو سکتے ہیں جب کہ قرآن کریم میں حصر کے ساتھ موجود ہے کہ انما المومنون اخوۃ۔ مومن باہم ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ مومن اور کافر بھائی کیسے ہو سکتے ہیں۔

جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی کی ہے (یعنے محض اس لیے کہ تم نے ان کا دین چھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کر لیا ہے، تم پر حملہ کر دیا ہے) اور ظلم وستم کر کے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے۔ نیز تمہیں جلا وطن کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے پس جو کوئی ایسے لوگوں میں رفاقت دساز گاری رکھے گا تو ایسے ہی لوگ ہیں جو ظلم کرنے والے ہیں!" ۶۰-۹ / ۸-۹ (متن پہلے درج کیا جا چکا ہے)

اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ قرآن میں جہاں کہیں مسلمانوں کو مشرکین عرب یا یہود و نصاریٰ کی موالات سے روکا گیا ہے تو اس سے مقصود صرف وہی جماعتیں تھیں جنہوں نے مسلمانوں سے محض اختلاف دین کی بنا پر قتال کیا تھا اور جن کے ظلم وستم نے مسلمانوں کو ترک وطن پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ بات نہ تھی کہ تمام مشرکین عرب یا یہود و نصاریٰ سے ترکِ علائق کا حکم دے دیا گیا ہو اور ظاہر ہے کہ قرآن کا یہ حکم کیوں کر ہو سکتا ہے جب کہ اس کی دعوت سرتا سر انسانی اخوت[1] و مساوات کی دعوت اور عموم شفقت واحسان[2] کا عالم گیر پیام ہے۔" (ترجمان القرآن جلد دوم ص ۱۲۵-۱۲۶)

آپ نے ملاحظہ فرمایا ان ٹکڑوں کو کہ

(۱) "قرآن کریم میں جس قدر احکامات عدم موالات کے ہیں وہ سب اسی صورت حالات سے تعلق رکھتے ہیں۔"

(۲) "قرآن میں جہاں کہیں مسلمانوں کو مشرکین عرب یا یہود و نصاریٰ کی موالات سے روکا گیا ہے تو اس سے مقصود صرف وہی جماعتیں تھیں جنہوں نے مسلمانوں سے محض اختلافِ دین کی بنا پر قتال کیا تھا۔"

یعنی مولانا صاحب نے قرآن کریم کے تمام احکامات متعلقہ امتناعِ موالاتِ کفار کو صرف ان لوگوں سے مخصوص کر دیا ہے جنہوں نے مسلمانوں سے قتال کیا ہو محض اس لیے کہ ہندو کے ساتھ دوستی کا جواز پیدا ہو جائے۔ ہم یہ لکھ رہے ہیں اور ہماری نگاہ ان پیشانیوں پر ہے جن پر مولانا صاحب کے خلاف اس الزام

---

[1] انسانی اخوت اسی صورت میں پیدا ہو سکتی ہے جب دو انسانوں میں ایمان وجہِ جامعیت ہو۔ منہ

[2] شفقت اور نرمی اور دوست داری کے تعلقات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ منہ

کی وجہ سے کئی شکن پڑ رہے ہیں جو زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ یہ انتہائی بدگمانی ہے اور بہت زیادتی ! لیکن ذرا صبر کیجئے اور خود مولانا صاحب کی زبان سے سن لیجیے کہ عدم موالات کے احکام صرف ان کفار تک محدود ہیں جنہوں نے قتال کیا ہو۔ یا ان کے علاوہ دیگر کفار پر بھی ان کا اطلاق ہوتا ہے۔ ترجمان القرآن کی مندرجہ صدر عبارت مولانا صاحب کے دور قومیت پرستی کی بصیرت قرآنی کا نتیجہ ہے۔ لیکن اس دور سے پیشتر آپ اِن آیات کے متعلق وہی کچھ سمجھتے تھے جو ہم نے لکھا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ الہلال بابت ۹/۱۶ اپریل ۱۹۱۳ء کے صفحہ ۲۲۲ پر آپ نے کفار کے ساتھ تعلقات کی بحث چھیڑی ہے۔ پہلے آیت (۶۰) "لا ینھٰکم اللہ ..... الآخر" سے قرآن کریم کے نرمی و رافت کے احکام سے بحث کی ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ جب دوسری قوم مسلمانوں کی تخریب کے درپے ہو تو "پھر اسی قرآن کا جس نے گذشتہ آیات میں احسانِ عام اور محبت عمومی کا حکم دیا تھا۔ یہ حکم ہے" اس کے بعد دوسری آیت (۶۱) "انما ینھٰکم ..... الآخر" نقل فرمائی ہے اور پھر کفار سے جنگ و قتال کا ذکر ہے۔ اس باب میں تحریر ہے۔

"اور غور کرو کیسی سخت وعید ان کے لیے فرمائی جو ان عیسائیوں سے رسم و راہ دوستی اختیار کریں جنہوں نے مسلمانوں سے مقاتلہ کیا ہے۔ فرمایا کہ ایسے لوگوں کا شمار بھی ان ہی عیسائیوں کے ساتھ ہوگا"

یہاں تک تو صرف ان کفار کا ذکر تھا جنہوں نے مسلمانوں سے قتال کیا ہو۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:۔

"اور متعدد مقامات میں عام طور پر دشمنانِ حق و اسلام کی نسبت فرمایا:۔

مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنے برادران دینی کو چھوڑ کر کفار کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کریگا تو پھر اس سے اور خدا سے کوئی سروکار نہیں"۔ ۳/۲۸ (الہلال میں آیات کا متن بھی دیا گیا ہے لیکن چوں کہ ہم متن پہلے لکھ چکے ہیں اس لیے صرف ترجمہ لکھا گیا ہے)

پھر فرماتے ہیں:۔

"اتنا ہی نہیں بلکہ ان تمام لوگوں کے لیے جو دین الٰہی کی کسی نہج پر بھی مخالفت کرتے ہوں۔ یا شعائر الٰہیہ کی تضحیک و تمسخر جن کا شیوہ ہو اور احکام اسلامی کی ہنسی اڑاتے ہوں

(جیسا کہ آجکل ملاحدۂ مسلمین اور متفرنجین مارقین ومفسدین کا شیوہ ہے) یہ حکم صاف سورۂ مائدہ میں نازل فرمایا۔

مسلمانوں۔ ان لوگوں کو اپنا دوست نہ بناؤ جو تمہارے دین کے ساتھ ہنسی اور تمسخر کرتے ہیں اور گویا اسے ایک کھیل سا بنا لیا ہے۔ جب تم نماز کے لیے اذان دیتے ہو تو یہ نماز کا تمسخر اڑانا شروع کر دیتے ہیں (۵/۶۳۔ الہلال میں متن بھی موجود ہے)۔

اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ اس بارے میں اصولی طور پر اسلام کی تعلیم کیا ہے۔"

دیکھ لیا آپ نے۔ ۱۹۱۳ء میں لکھا جاتا ہے کہ محارب کفار کے علاوہ "عام طور پر تمام دشمنانِ حق و اسلام سے دوستی کے تعلقات منع ہیں۔ ان سے بھی "جنہوں نے تمہارے خلاف تلوار اٹھائی ہے" اور ان سے بھی "جو دین الٰہی کی کسی نہج پر بھی مخالفت کرتے ہوں۔"

اور ۱۹۳۶ء کی اس تفسیر میں جو "موتی نگر کانگریس کیمپ۔ لکھنؤ" (ترجمان القرآن جلد دوم ص۱۲۰) سے شائع ہوئی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں کہ قرآنِ کریم میں "جس قدر احکامات عدم موالات کے ہیں وہ سب ان کفار سے متعلق ہیں جنہوں نے مسلمانوں سے جنگ کی ہو۔"

کیا تحریفِ قرآنی کی اس سے بڑھ کر روشن مثال اور بھی ہو سکتی ہے؟ اور کیا اس کے بعد یہ کہنا بدگمانی اور زیادتی ہے کہ مولانا صاحب آج دیدہ دانستہ محض ہندوؤں کو خوش کرنے کے لیے۔ قرآنِ کریم کو اس قدر مسخ شدہ صورت میں پیش کر رہے ہیں۔ اور آیاتِ قرآنی کی ایسی "تاویل" کر رہے ہیں جو قرآن کریم کی واضح اور بیّن تعلیم کے یکسر خلاف ہے۔ اس تعلیم کے خلاف جس کے (۱۹۱۳ء میں) یہ خود سب سے بڑے داعی تھے۔ حیرت ہے کہ مولانا صاحب کا سیاسی مسلک کیا بدلا اُنہوں نے سارا قرآن ہی بدل ڈالا۔

زمن بر صوفی و ملّا سلامے — کہ پیغامِ خدا گفتند مارا
ولے تاویلِ شاں در حیرت انداخت — خدا و جبرئیل و مصطفیٰ را

اقبالؒ

مولانا صاحب نے ۱۹۱۴ء میں "اولیاء اللہ و اولیاء الشیطان" کے عنوان سے ایک مبسوط

مقالہ تحریر فرمایا تھا۔ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنے مضمون کا خاتمہ اُس مضمون کے مختصر سے اقتباسات سے کریں جن سے آپ پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ "کفار سے دوستی" کے متعلق جو کچھ ہم نے سمجھا ہے اصولی طور پر یہی کچھ کبھی مولانا صاحب سمجھا اور سمجھایا کرتے تھے۔ ہم نے یہی لکھا ہے کہ قرآن کریم نوعِ انسانی کو دو گروہوں میں تقسیم کرتا ہے جو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک مسلمانوں کی جماعت اور دوسری غیر مسلموں کی جماعت۔ مولانا صاحب فرماتے ہیں۔

"قرآن کریم کے تدبر و مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حق و باطل۔ ایمان و کفر۔ نور و ظلمت۔ تعلق علوی و رشتہ سفلی۔ اور اعمالِ صالحہ اور کاروبار مفسدہ دینیہ کے اختلاف کے اعتبار سے دو بالکل متضاد اور باہمد گر مخالف گروہ دنیا میں ہمیشہ سے ہوتے چلے آئے ہیں اور جب کبھی حق و باطل کا معرکہ گرم ہوتا ہے تو انہی دو جماعتوں کی قطاریں ایک دوسرے کے مقابلے میں صف آرا ہوتی ہیں۔ قرآن حکیم نے مختلف ناموں سے ان دونوں جماعتوں کا ذکر کیا ہے اور جا بجا ان کے آثار و علائم اور خواص و اعمال کی تشریح کی ہے۔ مثلاً ۳۲ سے زیادہ مقامات میں ایک ایسی جماعت کا ذکر کیا گیا ہے جس نے اپنے دلوں کو حق کے قبول کے لیے مستعد کر لیا ہے اور جو اپنی تمام قوتوں اور جذبوں سے اللہ اور اس کی صداقت کو چاہنے والی اور پیار کرنے والی ہے اور اس لیے اللہ نے اسے اپنا دوست اور ساتھی بنا لیا ہے۔ اس جماعت کو اولیاء اللہ کے لقب سے پکارا گیا ہے یعنی وہ خدا کے دوست ہیں اور اس کے چاہنے والوں کے گروہ میں داخل ہیں..... لیکن اس جماعت کے مقابلے میں ایک دوسری جماعت ہے جو اپنے خواص و اعمال میں بالکل اس کی ضد اور مخالف واقع ہوئی ہے۔ قرآن کریم اسے اولیاء الشیطان سے تعبیر کرتا ہے۔ قرآن کی اصطلاح میں وہ تمام قوتیں جو تعلق الٰہی اور رشتۂ حق و صداقت کی مخالف ہیں شیطانی قوتیں ہیں اور ان میں ہر قوت اور ہر عمل شیطان لعین کا ایک مظہر خبیث ہے۔ پس جو لوگ حق و صداقت کی راہِ روشن سے ہٹ کر اعمالِ باطلہ کی تاریکی میں گم ہو گئے ہیں اور اللہ کا رشتہ ان کے ہاتھوں میں نہیں ہے وہ خواہ کسی حال اور کسی شکل میں ہوں لیکن درحقیقت شیطان کے ولی۔ اس کے پرستار۔ اس کی نسل کے چاکر اُس کی بادشاہت کے غلام ہیں..... پس ایک طرف تو اولیاء اللہ ہیں، اور

دوسری طرف اولیاء الشیطان۔

اولیاء الشیطان کے بھی مثل اولیاء اللہ کے مختلف مدارج و مراتب ہیں۔ آخری مرتبہ درجۂ کفر ہے اور اس کا سب سے بڑا اصل و اشقیٰ گروہ "الکافرین" کا ہوتا ہے یہ دونوں جماعتیں ہمیشہ ایک دوسرے کے مقابلہ میں صف آرا رہتی ہیں اور باہم معرکۂ جنگ و قتال گرم رہتا ہے .....

اولیاء اللہ اور اصحاب الجنہ کا مقصد دعوت خدا کی پادشاہت اور اس کا کلمہ علیا ہوتا ہے۔ پس وہ خدا کے حکموں کو بیان کرتے اور اس کے پاک اور مقدس اوامر کے ترجمان ہوتے ہیں۔ اولیاء الشیطان کی چیخ و پکار اور جد و جہد کا مقصد شیطانی حکومت ہوتا ہے ..... پس مومن اور اللہ کا ولی وہی ہے جو شیطان کے ولیوں کو قتل کرے اور ان کے فساد و طغیان سے ارضِ الٰہی کو پاک کر دے کیوں کہ اس کے ایک ہی آقا اور خداوند نے حکم دیا ہے۔

فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۔ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ۔ ۴/۵۸

شیطان کے دوستوں اور پجاریوں کو قتل کرو شیطان کے مکر و فساد خواہ کتنے ہی قوی اور مہیب نظر آئیں لیکن اللہ کے ولیوں کے سامنے بالکل ہی ضعیف و بے طاقت ہیں۔

اور ایسا کرنا قتل و خوں ریزی نہیں بلکہ عین صلح و اصلاح اور امن و نظام ہے۔ کیونکہ فساد و ظلم کے روکنے کے لیے جو شخص خون بہاتا ہے وہ اپنا حقیقی مصلح اور محسن ہے کیوں کہ اس نے ایک جماعت کا خون بہا کر تمام عالم کو زندگی بخش دی اور جو شخص ظلم و فساد کو زندگی بخشتا ہے وہی دنیا کا دشمن اور انسانیت کا عدو ہے۔ کیونکہ چند انسانوں کی خاطر تمام انسانوں سے دشمنی کر رہا ہے۔"

(الہلال ۱۵ و ۲۲ جولائی ۱۹۱۴ء)

تصریحات بالا سے واضح ہے کہ مولانا صاحب کے فہم قرآن کے مطابق:۔

(۱) دنیا میں ہمیشہ سے دو گروہ ایسے چلے آتے ہیں جو ایک دوسرے سے بالکل متضاد

اور باہمد گر مخالف ہیں

(۲) ایک گروہ مسلمانوں کا ہے اور دوسرا گروہ کافرین کا۔

(۳) مومنین کا گروہ خدا کو دوست رکھتا ہے۔ اور کافرین کا گروہ خواہ وہ کسی حال اور کسی شکل میں ہو شیطان کا دوست ہوتا ہے۔

(۴) یہ دونوں گروہ ہمیشہ ایک دوسرے کے مقابلہ میں صف آرا ہوتے ہیں۔ (ہمیشہ کا لفظ قابل غور ہے۔ یعنے خواہ شمشیر و سنان کی خوں ریز جنگ ہو یا کفار کی طرف سے مکائد و حیل کی خاموش لڑائی۔)

(۵) جماعت مومنین کا مقصد حکومت الٰہی کا قیام اور جماعتِ کفار کا نصب العین قوانین الٰہیہ کے مقابلہ میں غیر خدا قوتوں کے نظام حکومت کا تسلط ہے۔

(۶) چوں کہ ان ہر دو جماعتوں کا طریق فکر و نظر اور لائحہ عمل و منزل مقصود بالکل ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔ اس لیے حکومت الٰہیہ کے قیام کے لیے اس مخالف جماعت کی تخریب نہایت ضروری ہے خواہ اس کے لیے خوں ریزی ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔

(۷) جب حالت یہ ہے تو ظاہر ہے کہ ان دونوں جماعتوں میں کسی صورت میں بھی دوستی کے تعلقات قائم نہیں ہو سکتے۔

لیکن یہ مولانا صاحب ہیں دورِ قومیت پرستی سے پہلے کے۔ مسلک قومیت پرستی کے بعد کے مولانا صاحب کے نزدیک

(۱) یہ دونوں گروہ ایک دوسرے سے اس انداز سے مل سکتے ہیں کہ ان میں باہمی امتیاز و تفریق کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ اور یوں ایک متحدہ قومیت کی تخلیق ہو جاتی ہے۔

(۲) دو انسانوں کے بھائی بھائی بننے کے لیے صرف ان کا ابن آدم ہونا کافی ہے۔ نور و ظلمت، حق و باطل۔ ایمان و کفر کا فرق اس بھائی چارگی کے راستے میں قطعاً حائل نہیں ہوتا۔

(۳) نورِ حق اور صداقت کسی خاص مذہب یا جماعت کا حصّہ نہیں بلکہ "عالم گیر سچائیاں" تمام مذاہب میں یکساں طور پائی جاتی ہیں۔

لہٰذا (۴) عام کفار سے دوستی کے تعلقات کی قطعاً ممانعت نہیں۔ صرف ان سے ممانعت ہے جو مسلمانوں سے جنگ و قتال کریں۔

اور

اس تمام "تدبر فی القرآن" کا منشاء ـ جو سوتی نگر کے کانگریس کیمپ" میں بیٹھ کر کیا گیا ہے۔ فقط اتنا کہ کسی طرح ہندوؤں کی دوستی کا جواز قرآن سے ثابت کر دیا جائے۔

یہ ہے ایک عالم کی وہ لغزش جس سے نبی اکرمؐ نے پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی تھی۔ اور یہ ہے ایک ایسے لیڈر کی رہنمائی جس کے متعلق قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۔ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا ۔ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۔ (۱۴ / ۹ - ۲۸)

کیا تم نے ان لوگوں کی حالت نہیں دیکھی جنہیں اللہ نے (علم و فضل) کی نعمت عطا فرمائی تھی ۔ مگر انہوں نے کفرانِ نعمت سے اُسے بدل ڈالا (بے جا استعمال کیا) اور یوں اپنی قوم کو ہلاکت کے جہنم میں لے گرے ۔ جس میں وہ جا داخل ہوئے ۔ اور وہ کیا ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔

فتویٰ از مقامِ کبریائی
حضورِ دوں نہادان بہرہ سائی

نو بہ شاہی یا دو حاصل خویشتن را
بہ غیری یا بدامِ خود نمائی

تصویر کے متعلق اسلام کا شرعی حکم

ہمیں ایک عرصہ سے قارئین طلوع اسلام کی طرف سے استفسارات موصول ہو رہے ہیں کہ وہ پرچہ جو قوانین الٰہیہ کی نشر و اشاعت کا مدعی ہے۔ اپنے سرورق پر تصویر کیوں شایع کرتا ہے۔ کیوں کہ مستفسرین حضرات کے نزدیک، تصویر کی اشاعت از روئے شریعت جائز نہیں۔ ہم ان استفسارات کے جواب میں اس فرعی بحث میں اُلجھنا نہیں چاہتے تھے کہ تصویر کی اشاعت جائز ہے یا ناجائز۔ لیکن اکثر حضرات نے یہ لکھا (اور ان میں مولوی صاحبان کا طبقہ زیادہ ہے) کہ ہمارے اس سکوت سے مقاصدِ دینی نظر کی اشاعت پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ کیونکہ مخالف مسلک رکھنے والے حضرات پرچہ دیکھتے ہی اتنا کہہ کر منہ پھیر لیتے ہیں کہ "لاحول ولا قوۃ۔ یہ شرک!" اس ضرورت کے پیشِ نظر ہمیں بھی اس امر کا احساس ہوا کہ اس باب میں کچھ لکھنا ناگزیر ہو گیا ہے۔ ورنہ جہاں تک ہمارا اپنا تعلق ہے ہم تو اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے اپنے دلمیں ایک کامل اطمینان پاتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد ایک اور مشکل درپیش تھی۔ مستفسر حضرات کا تقاضا تھا کہ اس مسئلے کے متعلق فقہی بحث کی جائے اور ہمارا طریق استدلال اور اندازِ فکر و نظر اس نہج سے مختلف ہوتا ہے۔ بارے ہمیں اس باب میں ایک ایسی چیز مل گئی جو اُمید ہے مستفسرین کے اطمینانِ خاطر کے لیے کافی ہوگی۔ آج سے قریب بیس برس اُدھر مولانا سید سلیمان ندوی صاحب نے مجسموں اور تصویروں کے متعلق احادیث اور فقہ کی روشنی میں ایک مبسوط تحقیقاتی مقالہ تحریر فرمایا تھا جو معارف بابتہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۱۹ء میں شایع ہوا تھا اس مقالہ میں سید صاحب نے اس موضوع پر بہت سا مواد یکجا جمع کر دیا تھا اور اس کے بعد بطور شرعی حکم ایک نتیجہ بھی اخذ فرمایا تھا۔ وہ مقالہ بہت طویل ہے۔ اس لیے عدم گنجائش اسے بتمام و کمال شایع کرنے سے مانع ہے۔ البتہ ہم اربابِ معارف کے شکریہ کے ساتھ اس نتیجہ سے قارئین طلوع اسلام کو مطلع کیے دیتے ہیں جو سید صاحب نے مستنبط فرمایا تھا۔ جو حضرات تفصیل سے آگاہ ہونا چاہیں وہ معارف کے محولہ صدر پرچے ملاحظہ فرمالیں۔ سید صاحب اپنے مضمون کی تمہید میں فرماتے ہیں۔

"نہ صرف ہندوستان میں بلکہ تمام عالم اسلامی میں یہ مسئلہ علمائے دین میں مدتوں زیرِ بحث رہا ہے

مصر کے علما میں سے مفتی عبدہٗ مرحوم نے تو اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ بشرطے کہ وہ بت پرستی کی حد سے باہر ہو علامہ سید رشید رضا مصری نے المنار کے متعدد فتاویٰ میں اس کو جائز بتایا ہے

اس کے بعد سید صاحب نے احادیث و فقہ کی روشنی میں اس مسئلہ کی تحقیق فرمائی ہے جس کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

"اس تشریح سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ہاف ٹون[1] (یعنے آدھے دھڑکی) تصویر بالکل جائز ہے۔ اس بنا پر اگر اختلاف فقہا سے بچنے کے لیے اور زیادہ احتیاط و تقوے برتنے کے لیے مسلمان صرف ہاف ٹون کی تصویر کو بوقت ضرورت اختیار کریں تو مناسب ہے۔ اور ہر قسم کے خطراتِ حرمت سے پاک ہے"

مضمون کے آخر میں رقمطراز ہیں:۔

"سب سے آخیر مسئلہ یہ ہے کہ فوٹوگرافی کیا مصوری ہے۔ اور فوٹوگرافی پر کیا مصور کا اطلاق ہوگا۔ اور کیا فوٹو کھچوانا بھی داخل معصیت ہے؟ اس سے پہلے کہ میں آگے بڑھوں ایک لطیفہ سنانا چاہتا ہوں۔

ہمارے ایک مخدوم جناب بابو نظام الدین صاحب رئیس امرتسر ہیں۔ ان کے گھر میں ایک فوٹو رکھا تھا۔ ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ آپ گھر میں فوٹو رکھتے ہیں۔ اُنہوں نے کہا۔ یہ فوٹو نہیں ہے۔ فوٹو کے جواز کا فتویٰ ہو اُنہوں نزدیک جا کر دیکھا تو اس میں حضرات ذیل مع عبا و قبا و عمامہ کے نظر آئے۔ علامہ سید رشید رضا مصری مولانا شبلی نعمانی، مولانا سید عبدالحی صاحب ناظم ندوۃ العلما۔ مولانا ابوالکلام۔ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی فقیر سید سلیمان۔

موجودہ دنیائے اسلام کے تمام "روشن خیال" علما کی (بشرطے کہ روشن خیالی منصب افتا کے خلاف نہ ہو) رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ فوٹوگرافی مصوری نہیں ہے اور نہ فوٹو پر تصویر کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ مصر و مراکش و ایران و قسطنطنیہ کے تمام اکابر ارباب عمائم ہم کو کاغذی پیراہنوں میں ہندوستان میں چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔

فوٹوگرافی درحقیقت عکاسی ہے۔ جسطرح آئینہ، پانی اور دیگر شفاف چیزوں پر صورت کا عکس اُتر آتا ہے

---

[1] سید صاحب انگریزی کے اس لفظ کے صحیح استعمال میں سہو ہو گیا ہے۔ "طلوع اسلام"

اور اس کو کوئی گناہ نہیں سمجھتا اسی طرح فوٹو کے شیشہ پر مقابل صورت کا عکس اُتر آتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ آئینہ وغیرہ کا عکس پائدار اور قائم نہیں رہتا۔ اور فوٹو کا عکس مسالہ لگا کر قائم کر لیا جاتا ہے۔ ورنہ فوٹوگرافر مصور کی طرح اعضاء کی تخلیق و تکوین نہیں کرتا۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ فوٹو عبادت کے کام میں نہیں آتے۔ تاہم احتیاط وتقویٰ اس کا مقتضی ہے کہ بجائے پورے قد کے فوٹو کے مسلمان صرف آدھے دھڑ یعنے ہاف ٹون فوٹو کھینچیں اور کھنچوائیں۔ اور حقیقت میں انسان کی شناخت اور پہچان صرف اوپر ہی کے دھڑ سے ہوتی ہے اور فوٹو سے یہی مقصود ہے۔"

اُمید ہے ان حضرات کے لیے جو مسئلہ زیر نظر کے متعلق منقولی طریق سے کسی نتیجہ تک پہنچنے کے متمنی ہیں سید صاحب کا نتیجہ مستخرجہ۔ جو احادیث وفقہ کی مبسوط تحقیق وبحث کا حاصل ہے، وجہ اطمینان ہوگا۔ اور وہ اسے معترضین کے سامنے جواب کے طور پر پیش کر سکیں گے۔ اس پر بھی جن حضرات کو اعتراض یا شبہ ہو وہ اصل مضمون کے مطالعہ کے بعد اپنے اعتراضات سید صاحب کی خدمت میں بھیجکر مزید اطمینان کر لیں۔ ہم بغیر اس بحث میں اُلجھے کہ مصوری اور فوٹوگرافی میں شرعی نقطہ خیال سے وہ تفریق واقعی ہے یا نہیں جو سید صاحب نے بیان فرمائی ہے صرف اتنا عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے ذہن میں یہ بات ابھی تک نہیں آسکی کہ اگر فوٹو میں جسم کا نچلا حصہ بھی شامل ہو جائے (یعنے بجائے آدھے دھڑ کے پورے جسم کا فوٹو کھنچوالیا جائے) تو یہ چیز تقویٰ کے خلاف کیسے ہوگی۔ بہر کیف آدھے دھڑ کے فوٹو کے متعلق تو فتویٰ واضح ہے کہ یہ ہر قسم کے خطراتِ حرمت سے پاک ہے۔

سوشلزم اور اسلام

پرجوش معرکہ مقالہ گزشتہ اشاعت میں شائع ہوا تھا۔ اُسے ایک بصیرت افروز مقدمہ کے ساتھ پمفلٹ کی شکل میں چھاپا گیا ہے۔ مضمون میں کچھ کتابت کی غلطیاں رہ گئی تھیں ان کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ اس پمفلٹ کی عام اشاعت کی ضرورت ہے۔
قیمت فی نسخہ ۲ر۔ فی سیکڑہ دس روپیہ علاوہ محصول ڈاک۔ (ناظم ادارہ طلوع اسلام)

پیامِ اقبال اور قرآنِ کریم

(مسلسل)

(چودھری غلام احمد صاحب پرویز)

[ہم نے اس مضمون کا سلسلہ ایک عرصہ سے شروع کر رکھا ہے۔ لیکن ندامت ہے کہ ہر پرچہ میں اس کا تسلسل قائم نہیں رہ سکا۔ حقیقت یہ ہے کہ تجربہ نے ہمیں بتایا ہے کہ طلوعِ اسلام کے انداز کے پرچہ میں طویل مضامین کا تسلسل بلاناغہ قائم نہیں رکھا جا سکتا۔ ہر ماہ ایسے اہم وقتی موضوعات سامنے آجاتے ہیں جنھیں دوسرے وقت پر ملتوی نہیں کیا جا سکتا سو لامحالہ مسلسل مضامین کی قسط حذف کر دینی پڑتی ہے۔ اسی مجبوری کے ماتحت ہم اس اہم مضمون کے تسلسل کو اس قسط پر ختم کرتے ہیں۔ اس کے بعد اس کی اشاعت کا ایک اور مفید ترین طریقہ اختیار کیا جائیگا۔ ہم ان قارئین کرام سے معذرت خواہ ہیں جن کا ہر ماہ تقاضا موصول ہو جاتا تھا کہ اس مضمون کی قسط کا ناغہ کیوں کر دیا۔ کیا کریں ؎

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار — گلچینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

طلوعِ اسلام]

یہ تو تھا اس دنیا کے متعلق لیکن جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں۔ قرآن کریم کے نزدیک یہ زندگی تو حیاتِ انسانی کا اولیں گہوارہ ہے۔ عہدِ طفولیت ہے۔ اس نے تو ابھی جوان ہونا ہے۔ اس لئے قرآن کریم کے نزدیک یہ زندگی۔ بایں ہمہ رعنائی و زیبائی، اصل معنوں میں زندگی کہلانے کی مستحق ہی نہیں "زندگی" اس کے بعد آنے والی ہے۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۔ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۔ ۲۹/۶۴

یہ زندگی تو محض کھیلنے کودنے کی زندگی ہے بچپن کا زمانہ ہے۔ زندگی تو درحقیقت اس کے بعد کی منزل ہے

اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہ بتایا جائے کہ زندگی ایک مسلسل شے کا نام ہے۔ غیر منقطع جہاں کوئی شے رک جائے وہ اس کی موت ہوتی ہے۔ ؎

زندگانی از خرامِ پیہم است — برگ و سازِ ہستی موج از رم است

موجودہ دورِ حیات کے لہو و لعب ہونے کے متعلق ارشاد ہے۔ ؎

زمیں خاکِ درِ میخانۂ ما — فلک یک گردشِ پیمانۂ ما

حدیثِ سوز و سازِ ما دراز است   جہاں دیباچۂ افسانۂ ما

ذرا اس "خاک در میخانہ" اور "گردش یک پیمانہ" کے ٹکڑوں کو دیکھئے اور پھر سامنے لائیے آیت مذکورہ کے اس حصہ کو کہ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ ۔ اور اس "دیباچۂ افسانۂ ما" کے ساتھ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِىَ الْحَيَوَانُ کو۔ یہ موجودہ زندگی تو محض دیباچہ ہے۔ اصل کتاب تو ابھی شروع ہونے والی ہے ۞

ہر چند مضمون طویل ہو رہا ہے لیکن جی نہیں چاہتا کہ ایک چیز سامنے آجائے اور اسے یونہی چھوڑ کر آگے گذر جائیں۔ "حدیثِ سوز و سازِ ما دراز است" کے لئے مجھے نظریۂ ارتقا بیان کرنا چاہیے لیکن جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں یہ ایک الگ موضوع ہے جس کا ضمناً لکھنا دشوار ہے۔ یہاں صرف حضرت علامہ کے اس مصرع کے متعلق کچھ اشارات ضروری ہیں۔ قرآن کریم میں ارتقا کے ضمن میں یہ بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک تدبیر (Plan) کرتا ہے۔ پھر اس تدبیر کو پختگی کی حد تک پہونچانے کے لئے اسے مختلف مراحل طے کراتا ہے۔ قطرہ کو گہر ہونے تک گوناگوں مقامات میں سے گذرنا ہے ایک ایک مقام اور ایک ایک منزل کا نام یَوْم ہے (یعنی دن) لیکن یہ ایام ہمارے گردشِ لیل و نہار کے ایام نہیں، بلکہ ان کا طول ہمارے حساب سے ہزار ہزار سال کا ہوتا ہے۔

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ۔ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ $\frac{۳۲}{۵}$

وہ آسمان سے زمین کی طرف تدبیر امور کرتا ہے پھر وہ امر (پختگی اختیار کرکے) اس کی طرف بلند ہوتا ہے ایک دن میں جس کی مقدار انسانوں کے اعداد و شمار کے لحاظ سے ہزار سال ہو سکتی ہے۔

دوسری جگہ ہے کہ بعض ایام پچاس پچاس ہزار سال کے بھی ہوتے۔ اسی کرۂ ارض کو دیکھئے۔ اپنی اصل سے الگ ہونے کے بعد (جس کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے) کتنے عرصہ دراز میں اس قابل ہوئی ہو گی، کہ اس پر کوئی ذی روح آباد ہو سکے اسی طرح انسان کو اپنی منزلِ مقصود تک پہونچنے کے لئے کتنی منازل طے کرنی ہونگی۔ اور اس میں کتنا وقت صرف ہو گا اب پھر دیکھئے کہ

کس قدر سچی حقیقت ہے۔ اور کس قدر لطیف پیرایہ میں بیان کی گئی ہے۔ اسی کو دوسری جگہ ذرا زیادہ شوخی سے لکھتے ہیں کہ

باغِ بہشت سے مجھے حکمِ سفر دیا تھا کیوں　　کارِ جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر

ہاں! تو کہنا یہ تھا کہ موت زندگی کو ختم کرنے والی شے نہیں۔ بلکہ یہ تو ایک نئی زندگی کا دروازہ ہے۔

چشم کشائے اگر چشم تو صاحب نظر است　　زندگی در پئے تعمیرِ جہان دگر است

اسی عنوان پر دو ایک شعر اور بھی دیکھتے جائیے۔ کبھی شعروں کو دیکھئے اور کبھی اپنے قلب و دماغ کو کہ ایک ہی ثانیہ میں ان اشعار نے انہیں علم و ادراک کی کن بلندیوں اور کیف و نشاط کی کن جنتوں میں پہونچا دیا، ایسے ایسے شعر کہہ دینا در حقیقت فیضان ہے۔ اس کتاب مبین کی ضیا پاشیوں کا جس کا دعوے ہے کہ آؤ تمام نوع انسانی مل کر اس کی ایک سورت کی مثل کوئی چیز پیش کر کے دکھاؤ۔ ایسے شجر طیب کے برگ و بار بھی ایسے ہی ہونے چاہئیں۔ فرماتے ہیں ؎

خاکِ ما خیز و کہ سازد آسمانے دیگرے　　ذرۂ ناچیز و تعمیرِ بیابانے دگر

پیامِ فرنگ کے دو شعر ہیں ؎

زندگی جوئے رواں است و رواں خواہد بود　　این مئے کہنہ جواں است و جواں خواہد بود

شعلہ بودیم و شکستیم و شرر گردیدیم　　صاحبِ ذوق و تمنا و نظر گردیدیم

اس آخری شعر کو ملاحظہ فرمائیے۔ شعلہ کی شکست اس لئے نہیں ہوتی کہ وہ خاکستر بن کر رہ جائے۔ بلکہ اس لئے کہ اس میں پہلے سے بھی زیادہ تڑپ، چمک، حرارت پیدا ہو جائے۔ انسانی ہیولیٰ میں ہر چند "نورانیت" کا عنصر موجود ہے لیکن ابھی "مادیت" کا عنصر زیادہ غالب ہے اس لئے حقائق اشیاء پر ظلمتوں کے پردے پڑے رہتے ہیں۔ اس ہیولیٰ کی شکست اس لئے ہوگی۔ کہ اس کے بعد شعلہ کی حرارتیں سمٹ کر شرر بن جائیں اور وہ اس آتشدانِ خاکی سے اڑ کر فضائے نور کی ان وسعتوں میں جا پہونچے جن کیلئے لاشرقیہ ولا غربیہ آیا ہے۔ جو مکانیت (Space) کے موجودہ تصورات کے دائرہ سے باہر ہیں۔

یعنی اِدھر سکراتِ موت کی ہچکی آنکھ بند کرے اور اُدھر نورانی ملائکہ استقبال کے لئے آجائیں۔ کہ حضور آیئے۔ تشریف لایئے۔ دیدہ و دل فرشِ راہ۔ یہ نورانی وادیاں۔ یہ دل و نگاہ کو سکون واطمینان کی ٹھنڈک پہونچانے والی حسین جنّتیں آپ کے انتظار میں ہیں۔

اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَیِّبِیْنَ ۔ یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۔ 16/32

یہ وُہ لوگ ہیں جنہیں ملائکہ نہایت آسودگی کی حالت میں وفات دیتے ہیں۔ یہ کہتے ہوئے کہ تم پر سلامتی ورحمت ہو۔ آیئے جنت میں داخل ہو جایئے۔ بوجہ ان اعمال کے جو تم نے کئے ہیں۔

اس آیت کو سامنے رکھئے اور پھر اس شعر کو پڑھیئے کہ

شعلہ بودیم و شکستیم و شرر گردیدیم   صاحبِ ذوق و تمنا و نظر گردیدیم

پھر جنت کے متعلق جو اس آیت میں، اور دیگر متعدد آیات میں، آیا ہے کہ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ یعنی جنت اعمال کی جزا ہے اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ

آں بہشتے کہ خدائے بتو بخشد ہمہ ہیچ   تا جزائے عملِ تست جناں چیزے ہست

زندگی کے تسلسل کے متعلق غزل کا بھی ایک شعر سنئے۔ اور دیکھئے کہ غزل کی رنگینی باقی رکھتے ہوئے بھی حقائق کیسے بیان کئے جا سکتے ہیں فرماتے ہیں۔

پریشاں ہو کے میری خاک آخر دل نہ بن جائے   جو مشکل ہے یارب پھر وہی مشکل نہ بن جائے

قیامت کے متعلق قرآن کریم میں ہے۔ کہ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ، جب نفوس کو (پھر سے) اٹھایا جائے گا۔ یا ملایا جائے گا۔ خاک اپنی پریشانی کے بعد پھر سے "دل" بن جائے گی۔ اس غزل کا دوسرا شعر ہے۔

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں   کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہِ کامل نہ بن جائے

اس شعر میں انسان (آدم) کے ہبوط و صعود کی حقیقت کس قدر دلآویز پیرایہ میں بیان کی گئی ہے تخلیقِ آدم کا قصہ ہم اوپر دیکھ آئے ہیں۔ اس کے بعد ہبوطِ آدم کا ذکر ہے۔ ہبوط کے معنی نیچے گرنے کے ہیں آدم

کے جنت سے نکلنے کے لئے قرآنِ کریم نے خروج (نکلنا) کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ ہبوط (نیچے گرنے) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس ہبوط کی رعایت سے آدم کو ٹوٹا ہوا تارہ کہنا کس قدر موزوں ہے۔ کہ تارہ جب ٹوٹتا ہے تو نیچے گرتا ہے۔ پھر حضرت آدم نے اپنے ہبوط کا جو اثر بیان کیا تھا وہ یہ تھا کہ اے بارالٰہا! اگر ہماری توبہ قبول نہ ہوئی۔ اگر ہمیں اپنی حالت میں نہ پہونچایا گیا تو لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ ٹوٹا پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ اس ہبوط کے بعد ان تمام ارتقائی منازل کو طے کر کے پھر ایسا عروج حاصل کرنا کہ تارہ مہِ کامل بن جائے اس کی عظمتیں اور رفعتیں پہلے سے بھی زیادہ بڑھ جائیں۔ یہ ہے وہ راز جو ملائکہ کی نگاہوں سے اوجھل تھا۔ اور جس کی وجہ سے یہ انجم یوں سہمے جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ۔ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ۔ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ (وَالتِّيْن)

بے شک ہم نے انسان کو بہترین ہیئت میں پیدا کیا۔ پھر اسے (اس کے اعمال کی بدولت) نچلے سے نچلے درجہ میں لوٹا دیا، مگر سوائے ان کے جنہوں نے ایمان کے ساتھ اعمال صالح کئے۔ پس ان کے لئے غیر منقطع اجر ہے۔

انسان میں ایمان و عمل صالح پیدا ہونے دیجئے پھر دیکھئے کہ یہ شہباز کن بلندیوں پر اُڑتا ہے ایسی فضاؤں میں جو حدود نا آشنا ہیں (غیر ممنون) اسی پرواز کی پہلی منزل ہے جس کے متعلق فرماتے ہیں۔

برخیز کہ آدم را ہنگام نمود آمد — ایں مشت غبارے را انجم بہ سجود آمد

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے یہی فرق ہے یورپ کے نظریۂ عروج اور ایک مسلم کے نظریۂ عروج میں، یورپ کا مادہ پرست انسان کی پرواز اس دنیا۔ یا زیادہ سے زیادہ کسی قریبی ستارے مثلاً مریخ وغیرہ تک سمجھتا ہے۔ اور وہ بھی محض جسمانی پرواز۔ جو پھر مادی پرواز ہی ہے اور اسی زندگی سے متعلق ہے لیکن قرآن کریم انسان کو بہت اونچا لے جاتا ہے كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ایسے مبارک درخت کی طرح جس کی جڑیں مضبوط ہوں اور جس کی شاخیں آسمان کے اوپر ہوں اسلئے حضرت علامہ فرماتے ہیں۔ کہ

فرنگ سے بہت آگے ہے منزلِ مومن　　قدم اُٹھا یہ مقام انتہائے راہ نہیں

اس چیز کو دوسری جگہ یوں بیان کیا گیا ہے۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں　　ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں　　یہاں سینکڑوں کارواں اور بھی ہیں
قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بُو پر　　چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں
تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا،　　تیرے سامنے آسماں اور بھی ہیں
اسی روز و شب میں اُلجھ کر نہ رہ جا　　کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

ارتقائی منازل کو "عشق کے امتحاں" کہنا خشک فلسفہ کو کس قدر شیریں بنا دیتا ہے۔ دوسرے شعر میں اس حقیقت کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ کہ یہ بلندیوں کی فضائیں جنہیں قرآنی اصطلاح میں سمٰوات کہا جاتا ہے، آبادی سے خالی نہیں۔ قرآن کریم میں ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ۔　　۴۲/۲۹

اللہ کی نشانیوں میں سے یہ (بھی) ہے کہ اس نے زمین و آسمان (پستیوں اور بلندیوں) کو پیدا کیا۔ اور ان دونوں میں جو جاندار پھیلا دئے وہ بھی۔

اس شعر کے دوسرے مصرع میں ان آباد فضاؤں کو کارواں کہا گیا ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۔ اور ہم نے تمہارے اوپر سات (یا متعدد) رہگذر بنائے یہ رہگذر کاروانوں ہی کے لئے تو ہیں اور کون کہہ سکتا ہے کہ یہ کارواں درکارواں ہجوم کون کون سی ارتقائی منازل طے کرتے پھر رہے ہیں۔ عشق کی کون کون سی وادیوں میں سرگرداں ہیں پھر چونکہ یہ تمام آبادیاں ایک جوئے رواں کی طرح ہر وقت مصروفِ خرام ہیں، قطع منازل کر رہی ہیں۔ اس لئے ان کو کارواں کہنا ایسا حسین انداز ہے جس کی داد غالب ہی دے سکتا تھا۔

شعر جذبات کے اظہار کا بہترین ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ انہی جذبات سے اس میں دلکشی اور سوز و گداز پیدا ہوتا ہے لیکن جب شعر میں حقائق بیان کئے جائیں یا اس کا انداز مصلحانہ، اور پیامی ہو جائے۔ تو

پھراس میں بالعموم شعریت باقی نہیں رہتی۔ پھر یا تو وہ شعراس انداز کا ہو جاتا ہے کہ ؎

اے شمع تیری عمر طبیعی ہے ایک رات ہنس کر گذار یا اسے رو کر گذار دے

یا اس انداز کا۔

تو بھلا ہے تو بُرا ہو نہیں سکتا اے ذوق ہے بُرا وہی کہ جو تجھکو بُرا جانتا ہے

اور گر تو ہی بُرا ہے تو وہ سچ کہتا ہے کیوں بُرا کہنے سے تو اسکے بُرا مانتا ہے

اور ایک ذوق ہی پر کیا موقوف ہے۔ بڑے بڑے عمدہ شعر کہنے والے جب تبیان حقائق یا مصلحانہ انداز میں کچھ کہتے ہیں۔ تو شعر بے جان ہو جاتا ہے لیکن یہ خصوصیت حضرت علامہ ہی کے حصہ میں آئی ہے۔ کہ حقائق اور حقائق بھی اس درجہ دقیق۔ بیان کئے جاتے ہیں۔ اور شعر کے حسن میں بھی کوئی کمی نہیں آتی۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ ۔

ستاروں کی دنیا کے متعلق زبور عجم میں فرماتے ہیں۔

گماں مبر کہ ہمیں خاکداں نشیمن ماست کہ ہر ستارہ جہان است و یا جہاں بود است

ہاں! تو زندگی ایک مسلسل خرام کا نام ہے۔ چلتے جانا۔ بڑھتے جانا۔ اور بڑھتے جانا۔ بڑھتے ہی چلے جانا۔ کہ ؎ ہر ایک مقام سے آگے مقام ہے تیرا حیات ذوق سفر کے سوا کچھ اور نہیں

جسے مقام سمجھا جاتا ہے وہ مقام نہیں۔ جسے منزل کہا جاتا ہے وہ منزل نہیں۔ یونہی دراستانے دم لینے کے لئے۔ گھنے درختوں کا سایہ ہے۔ کارواں کے دوپہر کاٹنے کے لئے نخلستان ہے۔ وہ جنت کہ جسے بالعموم منزل مقصود سمجھا جاتا ہے۔ راستہ کی خوشگوار وادی ہے کہ جنت میں پہونچ کر بھی اہل جنت کی یہ کیفیت ہوگی کہ۔

يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ ۔ ۵۷/۱۲

ان کا نور ان کے آگے۔ اور ان کے دائیں کی طرف چلتا ہوگا۔

یہ نور پیشانی کی روشنی۔ یہ سرچ لائٹ۔ بالآخر اگلی منزل کا راستہ دکھانے کے لئے ہی تو ہوگی۔ وہ راستہ جس کے متعلق ارشاد ہے۔ کہ جنت میں پہونچ کر بھی وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ان کی ایک پسندیدہ راستہ

کی طرف رہنمائی کی جائے گی ۳۳ - دنیا میں صراطِ مستقیم پر چلنے کی دعا تھی - ایک سیدھے راستہ پر چلنے کی، وہاں ایک پسندیدہ راستے پر چلائے جائیں گے - اس لئے جنت مقام نہیں - راہ گذر ہے - وہاں سے بھی انسان کو آگے بڑھ جانا ہے -

اگر عنانِ تو جبریل و حور می گیرند　　　کرشمہ بر دلِ شان ریز و دلبرانہ گذر

کہ ملائکہ کا تو یہ ٹھیرا مسجود - اُن کا مقام اس کا مقام کس طرح ہو سکتا ہے - یہ تو وہ شکار ہے جس کا اٹھانا بھی تضیع اوقات ہے -

در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے　　　یزداں بہ کمند آور، اے ہمتِ مردانہ

لیکن بایں ہمہ - انسان "لامکان" نہیں - ہر ایک مقام سے آگے ہی سہی - لیکن مقام اس کا ضرور ہے - وہ مقام کیا ہے؟ وہ منزلِ مقصود کون سی ہے؟! یہ راز ہے جسے کھول کر بیان نہیں کیا گیا - نہ ہی اس کی آج ضرورت تھی - آج تو صرف یہ دیکھنا ہے کہ انسان کی موجودہ زندگی کے بعد اگلی منزل کونسی ہے؟ سو اس کی تفصیل شرح و بسط سے قرآن کریم میں موجود ہے - اس منتہیٰ کے متعلق تو سرِ دست اتنا ہی کہا گیا ہے کہ وَاِلٰی رَبِّکَ مُنْتَهٰهَا ، اس کا منتہیٰ تیرے رب تک ہے -

شعلہ در گیر زد بر خس و خاشاکِ من ،　　　مرشدِ رومی کہ گفت - منزلِ ما کبریاست

لیکن یہاں پہونچ کر حضرت علامہ واصل با لحق کے عقیدہ کا اتباع نہیں کرتے کہ قرآن کریم کے رُو سے انسان کے خدائے واحد کی ذات میں جذب ہو جانے کے عقیدہ کی سند نہیں ملتی - لیکن حضرت علامہ اس عقیدے کے اختلاف میں بھی ایک شانِ انفرادیت پیدا کر لیتے ہیں - اور اسے انسان کی خودی، محکم بالذات ہونے کے منافی سمجھتے ہیں، کہ وہ کسی کی ذات میں گم ہو جائے - خواہ وہ خدا ہی کی ذات کیوں نہ ہو - ان کے نزدیک عشرتِ قطرہ دریا میں فنا ہو جانا نہیں - بلکہ تہ دریا گہر بن کر بیٹھ جانا ہے - آپ فرماتے ہیں -

چناں با ذاتِ حق خلوت گزینی　　　ترا او بیند و اورا تو بینی
بخود محکم گذار اندر حضورش　　　مشو ناپید اندر بحر نورش

"نرااوببند" تو ہر وقت کا معاملہ ہے۔ وہ کونسا لمحہ ہے جب خدا انسان کو نہیں دیکھتا لیکن "اوراتو بینی"
کا مقام اس منزل سے آگے آتا ہے۔ موجودہ مقام میں تو ایک اُولوالعزم پیغمبرؑ نے جب یہ آرزو کی، کہ ربّ
ارنی، تو جواب مل گیا کہ لن ترانی (تو مجھے نہیں دیکھ سکتا) لیکن اس سے اگلی منزل میں مومنین
کی یہ کیفیت ہوگی کہ

وُجُوْہٌ یَوْمَئِذٍ نَاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ ۔

بہت سے چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے۔ اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

اب خدا بندے کو دیکھ رہا ہے۔ اُس وقت بندہ بھی خدا کو دیکھے گا کہ

عبدو مولا در کمین یک دگر ہر دو بے تاب انداز ذوق نظر
زندگی ہر جا کہ باشد جستجو ست حل نشد ایں نکتہ من صیدم کہ اوست

اگر ایک طرف انسان کی تڑپ اور تجسس کا یہ عالم ہے کہ اِلٰی رَبِّھِمْ یَنْسِلُوْنَ ۔ اپنے رب کی
طرف رواں دواں جائیں گے۔ تو دوسری طرف یہ کیفیت بھی ہمارے سامنے آتی ہے کہ وَاَشْرَقَتِ
الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّھَا زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھے گی۔ وَجَآءَ رَبُّکَ وَالْمَلَکُ
صَفًّا صَفًّا ۔ اور تیرا رب اور فرشتے قطار در قطار زمین پر آئیں گے۔ کہ

ہر دو بے تاب انداز ذوقِ نظر

لیکن یہ تمام مراحل طے کس طرح ہوں گے؟ یہ "محکم خودی" حاصل کیسے ہوگی!! یہ اس دنیا میں
اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ۔ ہونا یعنی ایسا سخت ہو جانا کہ کوئی اسے ہضم نہ کر سکے۔ کوئی اپنے اندر جذب
نہ کر سکے۔ یہ کیسے ہوگا!!! اس خاک کے تودے میں فولادی جوہر کیونکر پیدا ہوں گے! یہ نازک سا شیشہ
اپنے اندر ایسی سختی کیسے پیدا کرے گا کہ اس کا "زجاج حریف سنگ" ہو جائے۔ اس کے لئے رموز و اسرار
میں پورا لائحہ عمل مرتب کر کے دے دیا گیا ہے۔ یہاں اس کی تفصیل کا موقعہ نہیں لیکن اس سب کا ماحصل
ایک نکتہ ہے۔ اور یہی نکتہ دراصل کلامِ اقبال کا محور ہے۔ مرکز ہے۔ محیط ہے۔ سب کچھ ہے یہ نکتہ ہے۔
محمدؐ رسول اللہ۔ فرماتے ہیں۔

ترا جوہر ہے نوری پاک ہے تو　　فروغِ دیدۂ افلاک ہے تو
ترے صیدِ زبوں! افرشتہ وحور　　کہ شاہینِ شہِ لولاک ہے تو

بس یہ ہے راز ایک مومن کی پختگی کا۔ اس کی خودی کے استحکام کا۔ کہ شاہین شہ لولاک ہے تو۔ تو ان مقدس ہاتھوں کا پروردہ ہے جن کی شان میں آیا ہے کہ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ (الفتح) تو تو اس ذاتِ گرامی کا شاہیں ہے۔ جو دانائے سبل۔ ختم رسل۔ مولائے کل ہے جو معراج انسانیت کا مظہر کامل ہے جب تو ایسی رفیع الشان بارگاہ کا شاہیں ہے تو تیرے عرش آشیاں ہونے میں کیا کلام ہے۔ لہٰذا یہ تمام فضائیں اور فضاؤں کی پہنائیاں　یہ سب پستیاں اور تمام بلندیاں۔ یہ ارض و سموات، یہ تمام کائنات اور اس کی قیود ناآشنا وسعتیں۔ اس شاہینِ شہ لولاک کے بازوں کے نیچے کیوں نہ ہوں۔ اور یہ اسوقت تک نہیں ہو سکتا جب تک رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت عشق کے مرتبہ تک نہ پہونچ چکی ہو۔ کہ رسولؐ کی اطاعت درحقیقت خدا کی اطاعت ہے اور یہ اطاعت قرآن کی اطاعت سے میسّر ہوتی ہے کہ حضورؐ قرآن ہی کی اطاعت سکھانے کو تشریف لائے تھے +

"قسم ہے تیرے پروردگار کی۔ ان میں سے کوئی بھی مومن نہیں ہو سکتا۔ جب تک اپنے ان تمام معاملات میں جن میں یہ اختلاف کرتے ہیں۔ اے رسول تمہیں اپنا حکم تسلیم نہ کریں۔ پھر تمہارے فیصلوں پر دل میں بھی کوئی تنگی اور گرانی محسوس نہ کریں۔ بلکہ ان کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں + ۴:۶۵

اسی ایک نکتہ کے اندر امت کی مرکزیت۔ امیر کی اطاعت۔ وحدتِ افکار و عمل اور ان کے جیتے جاگتے نتائج یعنی تمکن فی الارض۔ شان و شوکت۔ حکومت و سطوت۔ زمین پر "آسمانی بادشاہت" کا قیام سرفرازیاں اور سربلندیاں۔ کامیابیاں اور کامرانیاں۔ اور اس کے بعد حیاتِ اُخروی میں۔ بعد کی منزل میں آگے بڑھنے کی قوتیں۔ مدارج عالیہ، یہ سب کچھ اس کے اندر پوشیدہ ہے۔ مجھے ضمناً اس بحث کو یہاں چھیڑ دینا پڑا۔ ورنہ یہ تو وہ عنوان ہے۔ جس پر کلامِ اقبال سے ایک ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ اقبال کی تمام شاعری اور شاعری کا سوز و گداز رہین کرم ہے۔ محبتِ رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) کا۔ جذبۂ اطاعت کا۔ اسی ذاتِ گرامی کی شعلہ ریز محبت ہے۔ جس نے اقبال کو اقبال بنا دیا۔ ورنہ یہ بھی کہیں

"میر مشاعرہ" ہوا کرتے۔ جذبۂ اطاعتِ رسول[علہ] نے (جسے وہ عشق کہتے ہیں) اقبال کو اس انداز سے گداز کر رکھا ہے کہ اس کے بربطِ ہستی کے کسی تار کو چھیڑیئے۔ اس میں سے نغمہ وہی پیدا ہوتا ہے۔ اسی چیز نے ان کے سامنے قرآنی حقائق کو بے نقاب کیا اور قرآنی حقائق نے ان کے کلام میں دمِ مسیحا اور ضربِ کلیم کے اعجاز پیدا کر دیئے۔ فطرت کی کرم گستری نے وہ دماغ عطا کیا تھا جو یکسر علم و حکمت تھا محبتِ رسول کی موہبتِ عظمٰی سے وہ قلب منور مل گیا جسے صہبائے ایمان کا مقدس آبگینہ کہنا چاہیئے ان دونوں کے امتزاج سے وہ نگاہ پیدا ہوئی۔ جو اشیا کی حقیقت کو بے نقاب دیکھ لے۔ جو گل و خار کے نظر فریب امتیاز سے ہٹ کر شاخِ گل کے اندر جا کر مشاہدہ کرلے کہ "درونِ او نہ گل باشد نہ خاراست" اس نگہِ حقیقت شناس کا نام ہے اقبال یعنی قلب و دماغ کا مجموعہ۔ ایمان و حکمت کا فشردہ۔ زیرکی و عشق کا عصارہ۔ لادیں و بوعلی کا مرکب مجسمہ۔ رومی و رازی کا مشترکہ شاہکار۔ وہ مشرق و مغرب کا مقامِ اتصال۔

غربیاں را زیرکی سازِ حیات — شرقیاں را عشق رازِ کائنات

زیرکی از عشق گردد حق شناس — کارِ عشق از زیرکی محکم اساس

خیز و نقشِ عالمِ دیگر بنہ — عشق را با زیرکی آمیزدہ

اور یہی وہ امتزاجی کیفیت ہے۔ جو قرآن کریم ایک مومن کے اندر پیدا کرنا چاہتا ہے۔ مظاہرِ فطرت کی گوناگوں نیرنگیوں کے بعد فرمایا

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ آیَاتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ۔

بے شک (ان مظاہرِ فطرت) کے اندر صاحبانِ عقل و خرد کے لئے آیات ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو اللہ کو

علہ نظامِ اسلامی کی رُو سے کس طرح امامِ متفقہ علیہ (یعنی مرکزِ ملت) کی اطاعت۔ اطاعتِ خدا و رسول کے مرادف ہو جاتی ہے قرآن کریم میں بصراحت اس کی تشریح موجود ہے اسی جذبۂ اطاعت کے اندر قوموں کی زندگی کا راز ہے اور اس کو بھلا دینے سے مسلمانوں کی آج یہ حالت ہو رہی ہے۔ اطاعت جب خوف و ترہیب سے بلند اور مزد و معاوضہ سے بے نیاز ہو جاتی ہے۔ تو عشق بن جاتی ہے ٭

کھڑے، بیٹھے اور لیٹے یاد کرتے ہیں ٭

یہ عقل و ہوش کے ساتھ خدا کو یاد کرنے والے وہ مومن ہیں جنہیں نوعِ انسانی کے لئے نمونہ بنایا گیا ہے۔

اور پھر سحابِ فطرت کا کرم بالائے کرم کہ اس نگ حقیقت بیں کو اظہارِ مشاہدات کے لئے ذریعہ بھی ایسا حسین و دلکش عطا کر دیا کہ جو دیکھے، کھنچا چلا آئے ——— بشرطیکہ وہ کہیں سے بوجہل و بولہب کی ہی آنکھیں نہ مانگ لایا ہو اور پھر تماشا یہ کہ یہ ملکوتی کام لیا اس شاعری سے جس کے علمبردار ابھی تک اس "تحقیق انیق" سے ہی فارغ نہیں ہو سکے کہ بُلبُل مذکر ہے یا مؤنث۔ سچ ہے جب خدا چاہے تو ایک خشک لکڑی سے وہ کام لے لے کہ وہ کذب و باطل کے بڑے بڑے اژدھوں کو نگل جائے۔ یہ اور بات ہے کہ قوم اقبال کو بھی ایسی ہی ملی ہو جو قوم موسےٰؑ کی طرح کہہ دے کہ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ وَ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ جا۔ تُو اور تیرا رب لڑو جا کر۔ ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ جب فتح ہو جائے تو آواز دے دینا۔ بایں ہمہ یقین مانئے جس طرح قرآنِ کریم نے عرب کی شاعری کے دورِ جاہلیت کو ختم کر کے اسی قوم سے ایک ایسا خمیر تیار کر دیا تھا کہ وہ جس آٹے میں جا کر ملے۔ اس میں بھی خمیر کی کیفیت پیدا کر دے۔ وہ قوم کہ جسے چشمِ فلک نے ایک بار دیکھا۔ اور دوبارہ دیکھنے کے لئے وہ سرگرداں ہے۔ اقبال نے بھی مشکوٰۃ قرآن کی روشنی میں عجمی شاعری کے "دورِ جاہلیت" کو ختم کر کے ان کے افیونی اعصاب میں ایسا خون دَوڑا دیا ہے کہ وہ دن دُور نہیں۔ جب یہ زمین بدل جائے گی۔ یہ آسمان بدل جائے گا اور مسلمان پھر یہ کہنے کے قابل ہو جائے گا کہ

زمیں از گردشِ تقدیرِ ما گردوں شود روزے
فروغِ خاکیاں از نوریاں افزوں شود روزے[علہ]

علہ اس حصۂ مضمون کو ایمان کے عنوان کا ایک ٹکڑا سمجھنا چاہئے۔ میں نے اسے مقدم اس لئے رکھا ہے۔ کہ ایمان ہی تمام اعمال کی اساس ہے۔

یقیں افراد کا سرمایۂ تعمیرِ ملت ہے ۔۔۔ یہ وُہ قوت ہے جو صُورت گرِ تقدیرِ ملت ہے

اعمال کا عنوان اس کے بعد آتا ہے۔ اسے ہم کسی دوسری فرصت پر اُٹھا رکھتے ہیں۔ وَمَا تَوْفِيْقِىْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

بابر

اسد ملتانی

اس نظم کے آخری تین شعر ۴ جون کو موزوں ہوئے۔ ۱۴ جون کی صبح کو خواب میں دیکھا کہ حضرت علامہ اقبال رح کسی جگہ ایک مجمع کے درمیان بیٹھے ہیں۔ میں حاضر خدمت ہوا تو فرمایا کہ کچھ تازہ اشعار لکھے ہیں تو سناؤ۔ میں نے عرض کیا کہ شہنشاہ بابر کے متعلق تین شعر کہے ہیں۔ لیکن نظم کی تکمیل کے لیے ابھی کچھ بھرتی کرنا باقی ہے۔ "بھرتی" کا لفظ سن کر میری طرف دیکھا اور فرمایا کہ بھرتی مجھے بالکل ناپسند ہے۔ غیر ضروری شعر کبھی نہ کہا کرو۔ مگر وہ تین شعر کون سے ہیں؟ میں نے پہلا شعر سنایا ؎

این نکتہ وا نمود بہ دستِ جہاں کشا
حدِ وطن فضائے زمیں را کنارہ نیست

فرمانے لگے کہ یہ شعر خوب ہے مجھے بہت پسند آیا ہے۔ اس کے بعد جب میں نے دوسرے شعر کا پہلا مصرع پڑھا کہ "مانازمی کنیم بہ ذاتش ولے چہ سود" تو ٹوک کر پوچھا۔ کیا کہا؟ مانازمی کنیم بیادش ولے چہ سود؟ میں نے دُہرایا تو خاموش ہو گئے۔ ساتھ ہی فرمایا کہ یہاں کچھ اصحاب ایسے موجود ہیں جو فارسی نہیں سمجھتے اس لیے شعروں کا مطلب اردو میں بھی ساتھ ساتھ بیان کرتے جاؤ۔ میں نے تعمیل کی۔ تین شعر ختم ہوئے تو آنکھ کھل گئی۔

جاگ اُٹھنے پر خواب کی پوری پوری کیفیت ذہن میں تھی۔ جب میں نے "بہ ذاتش" کی جگہ "بیادش" کے اشارہ پر غور کیا تو یہ ایک عمدہ اصلاح نظر آئی۔ چنانچہ میں نے شعر میں اسی کے مطابق ترمیم کر دی۔

اس خواب کے متعلق یہ امور قابلِ ذکر ہیں کہ ایک تو حضرت علامہ کی وفات کے بعد یہ پہلا موقع

تھا کہ میں نے انہیں خواب میں دیکھا۔ دوسرے جس شعر میں اصلاح ہوئی ہے اسے میں اپنی طرف سے بالکل مکمل کر چکا تھا اور میرے ذہن میں اس کی اصلاح یا ترمیم کا کوئی خیال نہ تھا۔ (اسد)

(طلوع اسلام حضرتِ اسد کے اس طالعِ بیدار پر ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہے)

باشد حیاتِ بابرِ اعظم دلیلِ آں — مردے کہ خود شناس بود ہیچکارہ نیست

می بیند اندر آئنۂ ممکناتِ خویش — آں جلوہ ہا کہ بر دگراں آشکارہ نیست

نقشِ جہانِ تازہ بہ بندد بدستِ خویش — پابندِ گردشِ مہ و مہر و ستارہ نیست

در فتح مندی و ظفر از خود نمی رود — وقتِ شکست ہمتِ اُو پارہ پارہ نیست

نتواں حکومتے صفتِ بابر آفرید — گر عزم اُستوار تر از سنگِ خارہ نیست

فرغانہ داد و کابل و ہندوستاں گرفت — چو دید جز توکّلِ ترکانہ چارہ نیست

ایں نکتہ وانمود بہ دستِ جہاں کشا — حدِّ وطن فضائے زمیں را کنارہ نیست

ما نازمی کنیم بیادش ولے چہ سود؟ — در خاکِ ما ز آتشِ او یک شرارہ نیست

درسِ عمل ازو نہ گرفتیم غیر ازیں

"بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست"

ایک شعر کی تاویل

مولوی سلیم پانی پتی مرحوم کے مجموعۂ کلام "افکارِ سلیم" پر لاہور کے رسالہ ادبی دنیا بابت ماہ جولائی میں جناب "ص" کی طرف سے مفصل تبصرہ شایع ہوا ہے۔ کتاب کے مقدمہ میں جناب مؤلف نے ایک جگہ لکھا ہے:۔

"سلیم جمالیات کا عاشق زار ہے لیکن اس کے لیے اس نے بالعموم مظاہر قدرت کا انتخاب کیا ہے۔ بقول اکبر الہ آبادی ؎

حسن جس چیز میں ہو دیکھ کے خوش کر دل کو
بند کر لے مگر آنکھیں اگر انسان میں ہو"

اس ٹکڑے کا حوالہ دے کر جناب "ص" نے حضرت اکبر مرحوم کے شعر پر ان الفاظ میں اظہارِ خیال فرمایا ہے:۔

"ظاہر ہے کہ اکبر کا شعر ہماری معاشرتی کمزوریوں پر ایک طنز ہے۔ وہ ہرگز یہ نہیں کہتا کہ انسان کے حسن سے آنکھیں سیراب نہ کی جائیں بلکہ وہ تو ہماری سوسائٹی کے آداب پر ہنستا ہے کہ ہم کوہ و دمن اور لالہ و گل کے حسن کی سیر تو پوری آزادی سے کر سکتے ہیں لیکن جہاں حسنِ انسانی کی دید کا سوال آیا۔ سوسائٹی ہمیں آنکھیں بند کر لینے کا حکم دیتی ہے۔ پس اکبر کے اس شعر سے سلیم کی مناظر قدرت سے دلبستگی اور حسن انسانی سے بے نیازی ثابت نہیں کی جا سکتی"۔

یقیناً یہ شعر نہ سلیم کے متعلق لکھا گیا تھا اور نہ اس سے سلیم کی مناظر قدرت سے دل بستگی اور حسن انسانی سے بے نیازی ثابت کرنا مقصود ہے لیکن اس شعر سے جو مطلب نکالا گیا ہے اُسے دیکھ کر جناب "ص" کی ادبی قابلیت اور شعر فہمی کی صلاحیت کے متعلق انتہائی تعجب ہوتا ہے۔

شعر اپنے مفہوم میں بالکل صاف اور واضح ہے۔ اس میں نہ تو کوئی ایسا لفظی یا معنوی اشارہ موجود ہے جس سے کسی تاویل کی گنجائش نکل سکے اور نہ شعر میں طنز کا کوئی پہلو پایا جاتا ہے۔ یہ بات اور ہے کہ کسی خیال کو پہلے سے اپنے دل میں قائم کر لیا جائے اور پھر کھینچ تان کر شعر کو اس پر منطبق کرنے کی کوشش کی جائے۔

یوں تو یہ شعر اپنی جگہ پر بالکل مکمل ہے لیکن اگر بالفرض اسکے مطلب کے متعلق کسی قسم کا شبہ پیدا بھی ہو تو اسی کے ساتھ کے دو شعر اس شبہ کو بالکل دور کر دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو ؎

پیاری صورت پہ تو انسان کو آتا ہی ہے پیار — دل کو روکیں کوئی صاحب اگر امکان میں ہو
حسن جس چیز میں ہو دیکھ کے خوش کر دل کو — بند کرلے مگر آنکھیں جو بہ انسان میں ہو
دل جہاں ہوگا وہاں عشق بھی ہوگا پیدا — خواہ افریقہ میں ہو خواہ پرستان میں ہو

کیا ان اشعار کو پڑھ لینے کے بعد شاعر کے مافی الضمیر کے متعلق کسی قسم کا شک باقی رہ سکتا ہے اور ایک لمحہ کیلئے بھی یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ زیر بحث شعر اظہار حقیقت کے بجائے ہماری معاشرتی کمزوریوں پر ایک طنز ہے؟ کس قدر حیرت کی بات ہو کہ تبصرہ نگار اس شعر کو ایک نصیحت نہیں سمجھتا بلکہ اسے سوسائٹی کا تمسخر قرار دیتا ہے۔ غالباً ایسے ہی نقطۂ نظر رکھنے والے نوجوانوں کی شان میں شاعر موصوف کو کہنا پڑا تھا ؎

تاکید عبادت پہ یہ اب کہتے ہیں لڑکے — پیری میں بھی اکبر کی ظرافت نہیں جاتی

زیر بحث شعر کی انوکھی تاویل سے زیادہ قابل توجہ وہ ذہنیت ہے جو اس تاویل کی محرک ہوئی ہے۔ لفظ "ص" سے اندازہ ہوتا ہے کہ تبصرہ نگار مسلمان ہے۔ اگر یہ درست ہے تو کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ایک مسلمان ادیب کے قلم سے ایسی بات نکلے جو اسلامی تعلیمات کے بالکل منافی ہو۔ شاید صاحب موصوف کو معلوم نہیں کہ جس چیز کو وہ "ہماری سوسائٹی کے مصنوعی آداب" کہہ کر اس کی ہنسی اُڑا رہے ہیں وہ نصِ قرآنی پر مبنی ہے۔ کلام پاک میں جہاں "أفلا ینظرون" (کیوں نہیں دیکھتے) کے تاکیدی استفہام کے ذریعے مناظر قدرت کی طرف پُرزور توجہ دلائی گئی ہے وہاں حسن انسانی کے بارے میں "غض بصر" کا حکم بھی صاف صاف الفاظ میں موجود ہے کہ مرد اور عورتیں اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ گویا کوہ و دمن اور لالہ و گل کے حسن کی سیر کی آزادی کے ساتھ حسن انسان کی دید پر جس حد تک پابندی عائد کی گئی ہے وہ کسی فرد یا سوسائٹی کی طرف سے نہیں بلکہ ارشاد خداوندی کے عین مطابق ہے اور اکبر مرحوم کا زیر نظر شعر بے کم و کاست اسی حکم کی ترجمانی کرتا ہے۔ جمالیات کے متعلق غیر مسلم حضرات جو نظریے بھی چاہیں بے تکلف قائم کر سکتے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ جو لوگ اسلام کی صداقت کا یقین رکھتے یا کم از کم قرآن مجید کے منجانب اللہ ہونیکا اقرار کرتے ہوں ان کو تو یہ کسی طرح زیب نہیں دیتا کہ کلام پاک کی مقرر کردہ حدود کو "سوسائٹی کے مصنوعی آداب" قرار دیکر ان کا تمسخر اُڑائیں اور ان سے تجاوز کرنے کی کھلم کھلا تلقین کریں۔ "ل"

کیا سوشلزم ہندوستان میں قابلِ قبول ہے؟

از جناب محمد شبیر حسن صاحب ایم۔ اے مرادآبادی

ہمارے سوشلسٹ حضرات کا ارشاد بلکہ اصرار ہے کہ آج ہندوستان کا مسئلہ محض اقتصادی و معاشی ہے۔ لہٰذا "مسلمان کیا کریں؟" کا جواب صرف یہ ہے کہ وہ تمام چیزوں سے آنکھیں بند کرکے غیر مسلم عوام سے ملکر جماعتی تنظیم کریں تاکہ جلد سے جلد "روٹی" کا مسئلہ حل ہو۔ ان حضرات کا خیال ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے سامنے اپنے علیحدہ قومی وجود اور تہذیب و کلچر وغیرہ کا کوئی سوال نہیں ہے چونکہ "ہندوستان میں مسلمان نہ ایک قوم ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں بلکہ وہ مختلف مفاد کی وجہ سے متضاد اور متصادم جماعتوں سے مرکب ہیں"، (مقالہ ڈاکٹر اشرف "مدینہ" ۲۸ جنوری ۳۹ء) یعنی ہمارے ان حضرات کے نزدیک مسلمانانِ ہند کے مفاد محض معاشی اور اقتصادی ہی ہیں اور یہی ہو سکتے ہیں جن کے اثر سے ان کے خیال میں مسلمان "مستقل طور پر" متضاد اور متصادم جماعتوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ مگر ان کے علاوہ ایسے دیگر مفاد مثلاً قومی۔ تہذیبی۔ معاشرتی وغیرہ جو مسلمانانِ ہند کو متحد و متفق کر سکتے ہوں یا تو ہیں ہی نہیں یا اگر ہیں تو وہ لغو ہیں لچر ہیں۔ بیہودہ ہیں "گذری ہوئی دنیا کے ارزاں مذہبی اور فرقہ پسندی کے غیر تاریخی (؟) محرکات ہیں"، لہٰذا درخورِ اعتنا نہیں ہیں اور ان کو روٹی پر بھینٹ چڑھا دینے میں بھی کوئی ہرج نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ڈاکٹر اشرف فرماتے ہیں کہ "مسلمان یا قوم کو عمل پر مائل کرنے یا آزادی کی جدوجہد کے لئے ابھارنے کی غرض سے (محض!) مناسب سماجی اور اقتصادی محرکات کی ضرورت ہے"۔ یہی ان کے نزدیک "زندہ سیاست ہے"، اور یہی "عملی اور زندہ پروگرام ہے"، باقی رہا تہذیبی و معاشرتی سوال۔ اسکے متعلق انکا خیال یہ ہے کہ "جو لوگ اقلیت اور تحفظات یا زبان و کلچر کے سوالات پر زور دیتے ہیں اور

اسی راگ کو الاپتے رہتے ہیں شاید انہیں اسکا احساس نہیں کہ وہ اپنے اس طرزِ عمل سے استعمار اصلاح پسندی اور ہندوستانی اعلیٰ طبقہ کے مفاد کے سب سے زبردست دوست بن جاتے ہیں" لہذا انہیں چاہیئے کہ وہ بے چون و چرا ان سوالوں سے ہمیشہ کے لئے چشم پوشی اختیار کرلیں چونکہ غالب یہ لکھ ہی گئے ہیں کہ سہ رو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھیے تھمے۔ نہ ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں" (مطلب اس شعر سے یہاں پر انکا یہ ہے کہ زبان کلچر وغیرہ کے معاملات میں ہندو اکثریت کی طرف سے جو کچھ ہو رہا ہے اسے مسلمان ہو لینے دیں اور اس پر بالکل خاموش رہیں) دوسرے "پرائے شگون کے پیچھے اپنی ناک کٹوا لینا" عین "سیاسی وحکیمانہ مزاج" کا مالک ہونے کی دلیل ہے یعنی آپکا قومی وجود ختم ہو تو ہوا کرے۔ آپ کی کلچرل شدہی ہو تو بھی کوئی ہرج نہیں۔ آپ تمدنی حیثیت سے اچھوت بن کر رہ جائیں تو بھی کوئی نقصان نہیں۔ لیکن اگر آپ نے ان سوالات کو اٹھایا اور "زبان و کلچر وغیرہ پر زور دیا" تو اس کے معنی یہ ہیں کہ "آپ استعمار۔ اصلاح پسندی اور ہندوستانی اعلیٰ طبقہ کے مفاد کے سب سے زبردست دوست ہیں" لہذا آپ رجعت پسند ہیں۔ لوڈی ہیں۔ برطانیہ پرست ہیں۔ گورنمنٹ کے پٹھو ہیں۔ دشمنِ ترقی اور نہ معلوم کیا کیا ہیں۔

فی الحال اس سوال کو تو جانے دیجئے کہ کیا آزادی کے معنی محض روٹی ہی کے ہیں۔ اور اسکو بھی چھوڑیئے کہ اگر مسلمان کلچر وغیرہ کے تمام سوالوں سے منہ موڑ کر کسی معجزہ کے ذریعہ اس قوم کے ساتھ جو اس کی محض اس وجہ سے ہر بات میں کاٹ کرتی ہے کہ اسکا نام "خدا بخش" ہے جماعتی تنظیم وغیرہ کرکے "آزادی" حاصل کر بھی لے تو کیا ایسی نام نہاد جمہوریت میں دو ووٹوں کی حکومت کو مانکر یہ آزادی مسلمان اقلیت کو ملیگی یا اُس ہندو اکثریت کو جسکا مذہبی تعصب کی بنا پر خود اپنے ہم قوم اچھوتوں کے ساتھ اقتصادی معاشی اور روٹی ہی کے مسئلہ میں صدیوں سے یہ عالم ہے کہ غریب اچھوتوں پر زندگی تنگ ہے۔ مسلمان تو بہلا پھر بھی "ملکش" ٹھیرا! مگر خیر ان سوالوں کو چھوڑیئے۔ آیئے ذرا ٹھنڈے دل سے سوشلسٹوں کے اس "سیاسی وحکیمانہ نظریہ" ہی کا نفسیاتی تجزیہ کرکے دیکھیئے۔ ہندوستان کی قوموں کے رجحانات اور امیال پر سرسری نظر ڈالیئے۔ قوموں کو

ابھارنے اور آزادی کی تحریک کے لئے تیار کرنے کے محرکات اور عوامل پر غور کیجئے۔ پھر دیکھئے کہ ہمارے ان سوشلسٹ حضرات کا یہ نظریہ قابل قبول بھی ہے۔ یا نہیں اور آیا سوشلزم ہمارے درد کا علاج ہو سکتا ہے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں سب سے پہلی بحث ہمارے سامنے یہ آتی ہے کہ کیا واقعی ہندوستان کا مسئلہ محض اقتصادی و معاشی ہی ہے؟ اور کیا ہندو مسلم عوام بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں اور کیا ان سوالوں کو وہ ایسے محرکات ماننے کے لئے تیار ہیں یا آئندہ ہو سکتے ہیں کہ وہ اپنے علیحدہ قومی اور کلچر وغیرہ سے منہ موڑ کر بس انہیں کے ہو رہیں؟ ہمیں اس سوال کو واقعات۔ تجربات اور اصول نفسیات کی روشنی میں حل کرنا ہے۔

تھوڑی دیر کے لئے مان لیجئے کہ ہندوستان میں محض معاشی سوال ہی درپیش ہے اور ہندو مسلم عوام جس چیز کے لئے آج بیچین ہیں وہ صرف "روٹی" ہے اور دونوں قوموں کے نوے فیصدی افراد جو کسان۔ مزدور اور غریب ہیں ان کو "عمل پر مائل کرنے یا آزادی کی جدوجہد کے لئے ابھارنے کی غرض سے محض اقتصادی محرکات ہی کی ضرورت ہے تو لیکن ہمیں ان سوشلسٹ حضرات سے ساتھ ساتھ یہ بھی تو دریافت کرنے کا حق ہے کہ یہ محرکات تو ہندوستان میں برس ہا برس سے موجود ہیں معاشی مشکلات کے وہ نوے فیصدی ہندو مسلمان غریب افراد کئی صدی سے شکار بنے ہوئے ہیں۔ اور بھوک ایسی چیز نہیں کہ اسکا احساس کرایا جائے تو ہی محسوس ہو۔ روٹی کی ضرورت ایسی نہیں کہ ہمارے یہ "سیاسی اور حکیمانہ مزاج" رکھنے والے لیڈر تحریر و تقریر سے ہندو مسلمان غریب افراد کو بتائیں جب ہی معلوم ہو چونکہ یہ کوئی سیاسی نکتہ نہیں ہے۔ اس بھوک۔ عریانی۔ روٹی اور غربت کے محرکات تو پیدائش سے لیکر موت کے وقت تک چوبیسوں گھنٹے دونوں کو برابر پریشان رکھتے ہیں۔ پھر آخر یہ سب ملکر بھوک کے مسئلہ پر ابھرتے کیوں نہیں؟ جب آپ تنہا بھوک اور غریب کے محرکات ہی کے قائل ہیں اور ان کو اس قدر متوثر مانتے ہیں کہ ملک کی دو مختلف قومیں باوجود اختلافات مذہب و کلچر وغیرہ کے تنہا ان محرکات کے ذریعہ ایک ہو سکتی ہیں تو

آخر ہندوستان میں ہندو مسلمانوں کی آپسمیں یہ کھینچا تانیاں۔ یہ کشمکش۔ یہ علیحدگی اور یہ جھگڑے کیوں ہیں؟ یہ آپس میں مل کیوں نہیں جاتے تاکہ استعمار دشمن جدوجہد مضبوط ہو اور بلا تخصیص مذہب و ملت اس اعلیٰ و متوسط طبقہ کا زور ختم ہو جائے جو انکی روٹی ہضم کر رہا ہے۔ آپس میں متحد ہو کر جماعتی و طبقاتی تنظیم کرنا تو درکنار ان کی حالت تو یہ ہے کہ آج یہ قصبات و دیہات میں عام طور پر (الہ آباد۔ بنارس۔ کانپور وغیرہ کو چھوڑئے کہ وہ شہر ہیں) یہ خون کی ہولی کھیل رہے ہیں۔ اگر کلچر وغیرہ سے متوسط اور اعلیٰ طبقہ ہی کو دلچسپی ہے اور یہ انہیں کے بنائے ہوئے ڈھونگ ہیں تو پھر یہ عوام ان اعلیٰ اور متوسط طبقوں کے قبضے میں کیوں پھنسے ہوئے ہیں جو ایک طرف ان کی آنکھوں کے سامنے انکی روٹی کو ہضم کر رہے ہیں دوسری طرف روٹی کی بجائے محض "زبان و کلچر وغیرہ کا راگ الاپ رہے ہیں" جب کہ آپ کے نزدیک تہذیب و تمدن مذہب و کلچر کے محرکات عوام کی نظروں میں کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتے اور بالفرض ان کی کوئی حیثیت ہے بھی تو بھی وہ اقتصادی محرکات کے مقابلہ میں بہت کمزور ہیں۔ بہت بودے ہیں۔ بہت معمولی ہیں۔

پھر یہ چیز بھی کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی کہ جب آپ کا یہ یقین و ایمان ہے کہ "مسلمان کو عمل پر مائل کرنے یا آزادی کی جدوجہد کے لئے ابھارنے کی غرض سے مناسب اقتصادی محرکات کی ضرورت ہے" تو آج مسلمان ایسی حالت میں جب کہ یہ محرکات اس کے لئے عرصہ سے موجود ہیں کیوں سترہ برس سے (جس وقت سے کہ ہندو اکثریت نے اس کے مذہب و کلچر وغیرہ پر حملہ کرنا شروع کیا) کانگریس سے من حیث القوم علیحدہ ہے؟ آج کیوں مسلم لیگ میں شامل ہے؟ اور کیوں غیر مسلم عوام سے ملکر جماعتی اور طبقاتی تنظیم نہیں کرتا اور "اقلیت تحفظات زبان اور کلچر کے سوالات پر زور دینے اور اسی راگ کو الاپتے رہنے" کے بجائے آخر وہ کیوں ایسی جماعت میں شامل نہیں ہوتا جو تقریر سے۔ تحریر سے ہر طرح ڈھنڈورا پیٹ کر چوبیس گھنٹے چلا چلا کر اس کا پروپگنڈا کرتی رہتی ہے اور اس کو یقین دلاتی رہتی ہے کہ "ہم تمہاری روٹی کا انتظام کرنا چاہتے ہیں اور کر رہے ہیں۔ ہم ترقی کے خواہاں ہیں۔ ہم استعمار دشمن ہیں ہم آزادی

پسند ہیں۔ تم آؤ۔ ہم میں شامل ہو کر نہ صرف برطانوی سامراج کو ہندوستان سے نکال باہر کرو بلکہ اس ہندوستانی اعلیٰ اور متوسط طبقہ کا زور ختم کر دو جو تمہاری روٹی چھین رہا ہے۔ تاکہ تم آزاد ہو تمہیں روٹی ملے اور تم ترقی کر سکو" ذرا سوچیے تو سہی۔ بھلا کسقدر خوشنما اور دلپذیر الفاظ ہیں؟ آزادی روٹی۔ ترقی!!! یعنی دنیا میں جنت بلکہ اس سے بڑھکر!!! مگر مسلمان کہاں کھڑا ہے؟ مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے! آخر کیوں؟ محض اسوجہ سے کہ حالات اسے بتا رہے ہیں کہ جس آزادی کا یہ ڈھونگ رچایا جا رہا ہے اس میں ممکن ہے کہ اسے روٹی تو کسی طرح ـــــ باوجود ہندو قوم کے نزدیک "ملکش" ہونے کے ـــــ مل بھی جائے لیکن اسکا علیٰحدہ قومی وجود اور اس کے ساتھ اسکا کلچر و تمدن سب ختم ہو جائیگا اور یہی چیز وہ گوارا نہیں کر سکتا چاہے آپ لاکھ بار یہ کہیں کہ تمہارا مسئلہ محض روٹی کا ہے۔ تمہیں تمدن سے کوئی واسطہ نہیں۔ کلچر سے کوئی غرض نہیں۔ معاشرت سے کوئی مطلب نہیں رکھنا چاہیئے۔

پھر آپ تو یہ فرماتے ہیں کہ مسلمانان ہندوستان میں نہ ایک قوم ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں بلکہ وہ متضاد اور متصادم جماعتوں سے مرکب ہیں" لیکن آج ذرا نگاہ اٹھا کر دیکھیے کہ مسلمانوں کی انہیں متضاد اور متصادم جماعتوں کی اکثریت کس جھنڈے نیچے کھڑی ہے اور عام طور پر مسلمانوں کے کلچر وغیرہ کے متعلق کیا خیالات اور کیا رجحانات ہیں۔

اس موقع پر ضرورت اس امر کی تھی کہ یہ سوشلسٹ حضرات اپنے مخصوص عقائد سے ذرا بالاتر ہو کر ٹھنڈے دل سے ان تمام چیزوں کا نفسیاتی تجزیہ کر کے دیکھتے اور غور کرتے کہ قوموں کیلئے اقتصادی محرکات کے علاوہ دیگر عوامل و محرکات کیا کیا ہیں۔ اور ان میں کون سے زیادہ موثر ہیں لیکن افسوس ہے کہ یہ حضرات ان نظریوں سے جو کہ انہوں نے فرض کر لئے ہیں ایک انچ آگے بڑھنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ یہ یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان قوم کے نزدیک بھی معاشی محرکات ہی سب سے زیادہ موثر ہیں اور اسی کے ذریعہ اسے ابھارا جا سکتا ہے۔ حالانکہ نہیں اس میں ہر ہر منٹ ناکامی ہو رہی ہے۔ افسوس یہ ہے کہ جب ان حضرات کے سامنے روزانہ کے

ٹھوس واقعات اور مسلمانان ہند کے عملی رجحانات پیش کر کے سوال کیا جاتا ہے کہ "دیکھئے اقتصادی محرکات مسلمانوں کے سامنے زبردست سے زبردست (ہندو سے زیادہ) موجود ہیں لیکن وہ پھر بھی روٹی کے بجائے اپنے علیحدہ قومی وجود اور کلچر وغیرہ پر سب سے زیادہ بیچین ہیں اور اسی وجہ سے وہ آج ہندو سے جو آپ کے نزدیک اقتصادی مسئلہ میں انکے عزیز ترین بھائی ہیں دست و گریباں ہیں!" تو یہ حضرات بڑے سوکھے منہ سے جواب دیا کرتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ گذشتہ بیس سال سے مسلمانوں کا مذہب۔ کلچر۔ تمدن وغیرہ کے نام پر ابھارا گیا ہے۔ استغفر اللہ۔ ابھارا جانا چہ معنی دارد بھلا آپ دنیا کے کسی ایک ہی انسان کو ابھار تو لیجئے کوئی غیر متعلق مسئلہ پیش کر کے۔ مثال کے طور پر ہندوستان کے ۳۵ کروڑ انسانوں میں سے کسی ایک شخص ہی کو یہ کہکر عمل پر مائل کر کے دکھا دیجئے کہ رومانیہ خطرہ میں ہے۔ ہٹلر اسے ہضم کرنا چاہتا ہے۔ ابھرنا تو درکنار۔ ہر شخص آپ کا مذاق اڑائیگا کہ ایک رومانیہ نہیں اگر ایک لاکھ رومانیہ بھی خطرہ میں ہوں تو ہمیں کیا واسطہ؟ حیرت یہ ہے کہ یہ سوشلسٹ حضرات کبھی یہ سوچنے کی زحمت ہی گوارا کرنا نہیں چاہتے کہ قومیں ابھرا کرتی ہیں تو اسی سوال پر جن سے انہیں بذاتِ خود کوئی واسطہ ہو اور ذاتی طور پر کوئی مطلب و غرض ہو اور جس چیز پر ان میں جوش و حرارت پیدا ہوتی ہے وہ لازمی طور پر ان کے نزدیک عزیز ترین چیز ہوتی ہے اور اس کی تباہی کو وہ مقابلۃً کسی حالت میں بھی گوارا نہیں کر سکتے بعینہٖ یہی حال آج مسلمانوں کا ہے ان کے سامنے دونوں محرکات موجود ہیں۔ روٹی کا بھی اور کلچر کا بھی۔ لیکن وہ روٹی سے زیادہ کلچر اور اپنے علیحدہ قومی وجود کے محرکات سے متاثر ہیں۔ بلکہ "روٹی" کے محرکات کو کلچر وغیرہ کے محرکات کے مقابلہ میں انہوں نے پس پشت ڈال دیا ہے۔ چونکہ وہ روٹی سے زیادہ اپنے قومی وجود اور کلچر کو عزیز رکھتے ہیں ورنہ کوئی وجہ نہیں تھی کہ اکہتے "بیس سال" تک وہ عوام جن کو "روٹی" اور محض روٹی کا طلبگار سمجھا اور کہا جاتا ہے "کلچر کے نام پر ابھرتے رہتے" جب کہ اس دوران میں نہ صرف چوبیس گھنٹے ان کے پیٹ میں بھوک کی آگ برابر سلگتی رہی ہے۔ بلکہ ہمارے یہ "حکیمانہ مزاج رکھنے والے" لیڈر بھی ان کو بھوک اور عریانی کی برابر یاد دلاتے رہے ہیں کہ غیر مسلم عوام سے ملکر جماعتی اور

طبقاتی تنظیم کر کے بھوک کی آگ کو ٹھنڈا کرو لیکن ان محرکات و ترغیبات کا نتیجہ آج سب کے سامنے ہے کہ جماعتی تنظیم کے بجائے یہی ہندو مسلم عوام کلچر وغیرہ کے محرکات کی بنا پر ہندوستان کی زمین کو جا بجا اپنے خون سے لالہ زار بنا رہے ہیں۔ آخر کیوں؟

کہنے کو ڈاکٹر اشرف نے کہدیا اور صاف طور پر اقرار کر لیا کہ "خود مسلمان، کانگریسیوں نے جمیعت العمائے ہند اور مجلس احرار قائم کرلی ہیں یعنی ان بنیادوں کو خود مسلمان کانگریسی مضبوط کر رہے ہیں جن پر آخری منزل میں جاکر مسلم لیگ یا اسکی ہموزن جماعت بن سکتی ہیں۔ یہ سنّتِ دیرینہ ہے اور خلافت کی تحریک سے برابر چلی آرہی ہے اور آج اس درجہ مستحکم ہے کہ اگر مسلم لیگ سامنے سے ہٹ جائے تو میرا خیال ہے کہ اس کے نعروں اور مطالبوں کو کانگریسی مسلمانوں کی دوسری جماعتیں فوراً اپنالیں گی ـــــ اور تجربہ بتاتا ہے کہ کانگریس سے قریب اگر بھی مسلمان علی برادران اور حسرت یا ظفر علیخاں کی طرح پیدا ہو سکتے ہیں" (مقالہ "ہماری قومی تحریک اور مسلمان" اخبار "ہندوستان مورخہ یکم جنوری ۳۹ء) لیکن ڈاکٹر صاحب نے کبھی غور بھی کیا کہ ایسا کیوں ہوتا رہا ہے؟ یہ "سنتِ دیرینہ" کیوں جاری ہے اور "کیوں" اس درجہ مستحکم ہے"؟ اس "تجربہ" کی وجہ اور بنیاد کیا ہے؟ کبھی سوچا بھی کہ شدھی اور سنگھٹن کی تحریکات کے بعد یہ "سنت دیرینہ" کیوں جاری ہوئی۔ اور مذکورہ بالا لیڈر اور عام مسلمان (جن کو آپ سامراج پرست بھی نہیں کہہ سکتے) کیوں من حیثیت قوم کانگریس میں شامل ہوتے ہوئے باہر نکل آئے۔ شدھی کا مسئلہ جو ایک خالص مذہبی سوال تھا آپ کے نزدیک تو عوام کے لئے محرکات کی فہرست میں بھی شامل نہیں ہے۔ پھر یہ عوام اس سے کیوں متاثر ہو گئے دوسرے اتنے زیادہ کیوں متاثر ہوئے کہ اس سوال پر اس جماعت یعنی کانگریس کو چھوڑ کر باہر آگئے جو ان کی "واحد ضرورت" روٹی کا انتظام کرنا چاہتی ہے؟ یہاں پر چاہیے تو یہ تھا کہ سوشلسٹ حضرات مسلمانوں کی ۲۲ء اور اس کے بعد سے کانگریس سے علیحدگی کا نفسیاتی تجزیہ کر کے دیکھتے۔ اس کی بنیادوں کو ٹٹولتے اور ان اسباب، عوامل اور محرکات پر غور کرتے جن سے بالکل قدرتی اور فطری طور پر مجبور ہو کر مسلمان کانگریس سے علیحدہ ہوئے تاکہ ان حضرات کو آج

ملک وقوم کی "رہنمائی ولیڈری" کرتے وقت ان نتائج سے کوئی فائدہ اٹھانے کا موقع ملتا لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے سیکھی ہے نظری سیاست اور وہ بھی ادھوری۔ یہ ہندوستان میں روسی اشتراکیت تو پھیلانا چاہتے ہیں لیکن روس ہی کی زمانۂ مابعد کی تاریخ سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں۔ یہ نہ صرف ملک کی ضروریات حقائق اور رجحانات سے بے خبر رہنا چاہتے ہیں بلکہ آئے دن کے برسوں کے واقعات سے ہندو مسلمانوں کی نفسیاتی کیفیت کو بھی سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اب سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ یا تو یہ حضرات مغالطہ میں مبتلا ہیں یا پھر اپنے مخصوص عقائد کی وجہ سے ان حالات پر غور کرنا ہی نہیں چاہتے کہ قوموں کے افکار۔ ان کے اعمال اور ان کی تاریخ تمامتر ان کے معتقدات ان کی قومی روایات انکی تہذیب وکلچر وغیرہ سے متاثر ہوتی ہے۔ چنانچہ نہ صرف ہندوستان کے حالات اس کے شاہد ہیں بلکہ میں یہاں پر تمام دنیا کی قوموں کی اس مسئلہ میں نفسیاتی کیفیت کے متعلق مشہور فرانسیسی فلاسفر اور ماہر نفسیات موسیو لیبان کی مشہور آفاق تصنیف "روح الاجتماع" سے جو اس نے قوموں کی نفسیات پر لکھی ہے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں جن میں اس نے پہلے مختصراً یہ بتایا ہے کہ قومی روایات وکلچر اور تمدن کے کیا معنی ہیں (جس کے پنڈت جواہر لال اور ڈاکٹر اشرف وغیرہ منکر ہیں اور اسکو "ٹونٹی دار لوٹے" اور لٹکیا یا "ہندوستانی وایرانی مٹھائیوں" تک محدود سمجھتے ہیں) اور اس کے بعد اس نے تاریخی شہادتیں دیکر یہ ثابت کیا ہے کہ قومیں اپنے کلچر وتمدن اور قومی روایات کو (جن کو ڈاکٹر اشرف "غیر تاریخی" محرکات کہتے ہیں) اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتی ہیں۔ چونکہ وہ زندہ ہی اسی طرح رہ سکتی ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ

"قومی روایات کسی قوم کے ان افکار، خیالات اور رجحانات سے عبارت ہیں جو زمانۂ گذشتہ سے سلسلہ وار نسلاً بعد نسلاً منتقل ہوتے چلے آتے ہیں اور جن سے قومی روح یا بالفاظ دیگر قوموں کے مزاج عقلی کی تشکیل ہوتی ہے اور چونکہ وراثت کے پے در پے اثر سے وہ ایک گونہ رسوخ حاصل کر لیتے ہیں۔ اس لئے قوموں کے افکار، معتقدات اور ان کے طریق کار کے متعین کرنے

میں ان روایات کو بڑا دخل ہوتا ہے اور قوموں کی ترقی و تنزل میں انکو بڑی اہمیت ہوتی ہے" صفحہ ۹۴ مطبوعہ دار المصنفین۔ اعظم گڑھ)

اس کی مزید تشریح کے بعد وہ لکھتا ہے کہ

"یہی وجہ ہے کہ قومی روایات اور قومی سرمایہ کی حفاظت کا قوموں اور جماعتوں کو سب سے زیادہ خیال رہتا ہے۔ یہاں تک کہ قومیں ان لوگوں سے لڑنے جھگڑنے پر تل جاتی ہیں جو ان کی قومی روایات میں کوئی تغیر یا ترمیم کرنا چاہتے ہیں اور پھر جماعتوں میں بھی وہ جماعتیں اس کا زیادہ خیال رکھتی ہیں جن کا دائرۂ اثر محدود ہوتا ہے (جیسا کہ ہندوستان میں ہندوؤں کے مقابلہ میں مسلمان اقلیت کا) اور اصل یہ ہے کہ ان قوموں کی حفاظت بغیر اس کے ہو ہی نہیں سکتی۔ لہذا اگر یہ قومیں اپنی قدیم روایات کو محفوظ نہ رکھیں تو سب سے پہلے حوادثِ زمانہ کا شکار یہی ہوں" (صفحہ ۹۷)

اس اقتباس میں خط کشیدہ آخری جملہ کو پھر غور سے پڑھیے اور اس کی روشنی میں ان سوشلسٹ حضرات کے اس ارشاد کو جانچئے کہ مسلمانوں کو اور سب طرف سے آنکھیں بند کر کے صرف روٹی کے مسئلہ کو سامنے رکھنا چاہیئے ——— یہ الفاظ ایسے وقت میں کہے جا رہے ہیں جب کہ خود "قوم پرست" مسلمان کھلے الفاظ میں اس بات کا اقرار کر رہے ہیں کہ "ہندو اکثریت من حیثیت المجموع مسلمانوں کے مخصوص کلچر کو مٹانے کے درپے ہے اور ان کی زبان و رسم خط اور ان کی تاریخی و روایتی آثار کو فنا کر کے ان کی جگہ مہابھارت اور رامائن کا جھنڈا گاڑنے" کی کوششوں میں مصروف ہے (مدینہ۔ مقالۂ افتتاحیہ۔ مورخہ ۲۸ جنوری ۳۹ء)

یہ ہے ہمارے ان سوشلسٹ حضرات کا طریقۂ استدلال جس کو مسلمان تو مسلمان، ہندوستان کی تمام ۳۵ کروڑ آبادی میں سے ایک قلیل سے قلیل تعداد نے بھی آج تک عملاً قبول نہیں کیا ہے (یہ میں سطورِ ذیل میں بتاؤں گا۔ کہ محض جماعتی تنظیم کو مذہب کے اختلافات سے بالاتر ہو کر ہندو مسلم عوام کس حد تک قبول کرنے کے لئے تیار ہیں اور سوشلزم کو ان ہندو حضرات نے جو اپنے آپ کو ظاہرا سوشلسٹ کہتے ہیں کس حد تک قبول کیا ہے اور در اصل عملاً وہ

کس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں مگر اس کے باوجود ڈاکٹر اشرف وغیرہ ایک سراسر مغالطہ انگیز طعنہ دیتے ہیں غیر سوشلسٹ مسلمانوں کو کہ "مجھے اس قسم کی تحریرات سے (مولانا ظفر الملک اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی وغیرہ کی تحریرات) صرف ایک شکایت ہے کہ لکھنے والے مسلمان ملت کے موجودہ تقاضوں اور محرکات و سوالات سے قطعاً بے خبر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس قسم کا ارزاں اور فرسودہ وعظ کبھی ایک عملی اور زندہ پروگرام یعنی اجتماعی لائحہ عمل کی صورت اختیار نہیں کرتا" (مدینہ۔ ۲۸ جنوری ۳۹ء) غالباً ایسے ہی موقعوں پر کہا جاتا ہے کہ خرد کا نام جنوں رکھ لیا جنوں کا خرد یا الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے ——— مگر ہوا کا رخ معلوم کرنے اور آئندہ کے متعلق اندازہ لگانے کے لئے ذرا مختصراً یہ دیکھ بھی لیجئے کہ ان سوشلسٹ حضرات کا "وعظ" جو ماشاء اللہ اپنے آپ کو ملت کے موجودہ (!) تقاضوں اور محرکات و سوالات سے بالکل باخبر بناتے ہیں کس حد تک "ایک عملی اور زندہ پروگرام یعنی اجتماعی لائحہ عمل کی صورت اختیار کر سکا ہے۔

حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا اور یہ حقیقت ہے کہ جس حد تک مسلمانان ہند کا تعلق ہے وہ آج سے نہیں بلکہ سترہ برس سے محض کلچر و مذہب کی وجہ سے اس ادارہ سے من حیث القوم بیزار اور علیحدہ ہیں۔ جو ملک میں سب سے آگے بڑھ کر "اجتماعی لائحہ عمل کی صورت" پیش کرنے کا دعویدار ہے۔ مگر خیر مسلمانوں کو جانے دیجئے کہ ان کے متعلق آپ کا یہ ارشاد ہے کہ "ان کے ذہن میں مسلم تمدن اور زبان و کلچر کے مٹانے کا خوف پیدا کر دیا گیا ہے"! ہندو کو لیجئے جنہیں اکثریت میں ہونے کی وجہ سے اپنے کلچر کے مٹنے کا بھی خوف نہیں ہے۔ اور جنہیں اس "زندہ پروگرام اور اجتماعی لائحہ عمل" سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہونچنے کی امید ہے مگر اسی قوم کے ——— مہاسبھائیوں اور آریہ سماجیوں کی نہیں بلکہ ——— ان افراد کی جو "صحیح جمہوری حکومت" اور "ایسی انصاف پرست اور حقانیت پسند حکومت کا نقشہ بنا کر جس کی آخری منزل میں خلافت ارضی کا خواب پورا ہو سکتا ہو" پیش کرتے تھے آج یہ حالت ہے کہ انہوں نے تری پوری کے اجلاس میں ہٹلر اور مسولینی نام لے لیکر اور صاف الفاظ میں ڈکٹیٹرشپ کا اعلان

کرکے ان مسٹر گاندھی کو ہندوستان کا ڈکٹیٹر اور مختار کل قبول کیا ہے ـــــ اور اس پر سوشلسٹوں نے کھلے اجلاس میں خاموش رہکر اپنی رضامندی ظاہر کی ہے ـــــ جن کی مہاسبھائیت کو خود ڈاکٹر اشرف مان چکے ہیں (دیکھئے انکا مقالہ "ہماری قومی تحریک اور مسلمان") پھر انہیں ہندو سوشلسٹوں کی حالت کا نقشہ جو اپنے آپ کو مذاہب کے تمام اختلافات سے یکسر بالاتر ظاہر کرتے ہوئے کبھی نہیں تھکتے اخبار اسٹیسمین ۳۱ر مارچ کے مقالہ افتتاحیہ میں یوں پیش کرتا ہے کہ

"علاوہ بریں ایک اور بات قابلِ غور یہ ہے کہ کانگریس کے بائیں بازو (سوشلسٹ) جو اپنے آپ کو ملک میں سب سے آگے لڑنے والی (استعمار شکن) جماعت ظاہر کرتے ہیں اور مارکس کے فلسفہ۔ سماجی انقلاب اور اسی قسم کے اور بہت سے اصولوں کا پرچار کرتے رہتے ہیں ان کی ایک بھاری اکثریت آج کھلے بندوں عام ہندو راج قائم کرنے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ اسی بائیں بازو نے (حال ہی میں) ہندو مہاسبھا کے صدر مسٹر ساورکر کا استقبال کیا ہے اور انہوں نے بنگال میں جو اعلانات کئے ہیں وہ اور ان کے ساتھ ساتھ بنگال میں بائیں بازو کے اخبارات میں جو مضامین شائع ہوتے ہیں وہ پڑھنے کے قابل ہیں۔ ان سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ ہوا کا رخ کس طرف کو ہے"!

"اے بنی اسرائیل دیکھو۔ یہ میرے خاندان والے نہیں بلکہ تمہارے ہی کنبہ کے لوگ ہیں جن کی تم تعریفیں کیا کرتے تھے"!!!

اس کے باوجود ڈاکٹر اشرف کا مسلمانوں سے ارشاد ہے کہ "یہ سوشلسٹ اور کمیونسٹ طبقہ تمہارا واحد حکیمانہ ترجمان ہے" اگر واقعی انہیں کو "واحد حکیمانہ ترجمان" کہتے ہیں تو پھر مجھے کہہ لینے دیجئے کہ ع ہوئے تم دوست جس کے اس کا دشمن آسماں کیوں ہو! مسلمانوں کے انہیں "واحد حکیمانہ ترجمانوں" نے اور بنگال میں ان کے اخبارات نے جو اپنے آپ کو بلاتفریق مذہب و ملت

کسانوں کا سب سے زبردست ہمدرد اور زمینداروں کا دشمن بتاتے ہیں بنگال کے قانون مزارعین کی ان الفاظ میں مخالفت کی تھی اور اسمبلی میں اس کے خلاف ووٹ دیئے تھے کہ "بنگال میں زمینداروں کی اکثریت ہندو ہے اور کسانوں کی اکثریت مسلمان ہے۔ لہٰذا ہمیں خوف ہے کہ بنگال کا قانونِ مزارعین اس صوبہ میں ہندوؤں کے باقیماندہ اثر پر ایک کاری ضرب ہوگا"
(اخبار ایڈوانس)

خاص طور پر صوبہ جاتی خودمختاری کے نفاذ کے بعد سے اس قسم کی پچاسوں مثالیں ہر صوبہ سے اور خاص طور پر ہندو اقلیت کے صوبوں سے پیش کی جاسکتی ہیں لیکن بہرحال انہیں مثالوں سے بخوبی ظاہر ہے کہ ہندوؤں میں اُن حضرات کی بھی جو اپنے آپ کو سوشلسٹ کہتے ہیں اور تمام مذہبی اختلافات سے بالاتر بتاتے ہوئے بلاکسی امتیاز کے کسانوں وغیرہ کا ہمدرد پیش کرتے ہیں۔ یہ حالت ہے کہ عملاً وہ یہ کسی طرح گوارا نہیں کرسکتے کہ مسلمان کسان جب تک مسلمان ہے اسے روٹی بھی ملجائے اور ہندو زمیندار سے اپنی روٹی چھین سکے۔ اب اگر سوشلزم کے یہی معنی ہیں تو پتہ نہیں کہ مہا سبھائیت کا کیا مطلب ہے؟

مختصراً یہ حالت تو ہمارے ہندو سوشلسٹوں کی ہے جن میں سمپورنانند اور ٹنڈن وغیرہ جیسے سوشلسٹ سب شامل ہیں اب ذرا یہ بھی دیکھ لیجئے کہ سوشلزم کے اس "زندہ پروگرام اور اجتماعی لائحہ عمل" جماعتی تنظیم وغیرہ کو ہندو کسان اور مزدور کس حد تک قبول کرنے کے لئے تیار ہیں اس دوران میں جب کہ اس کا زیادہ سے زیادہ پروپگنڈا کیا گیا ہے۔ انہوں نے کس حد تک اسے قبول کیا ہے یا بالفاظِ دیگر مسلمان عوام کے سامنے انہوں نے کس حد تک جماعتی اور طبقاتی تنظیم کی غرض سے اپنا مصالحتی ہاتھ بڑھایا ہے؟

افسوس ہے کہ اس کا جواب بھی ہمیں ناامیدی کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ اخبار بین حضرات سے یہ امر پوشیدہ نہیں ہوگا کہ آج کل کوئی دن ایسا منحوس جاتا ہوگا جب کہ ہندو اکثریت کے صوبوں میں قصبات و دیہات سے قتل و غارتگری کی واردات کی اطلاعات

نہ آتی ہوں۔ مسئلہ کی نوعیت کو سمجھنے کے لئے مثال کے طور پر حال ہی کا ایک واقعہ لیجئے نیاگاؤں (بہار) میں دس ہزار مسلح اور منظم ہندو کسان اور مزدوروں نے مسلمان کسانوں پر حملہ کیا۔ ایک سو سے زیادہ مکانات اور تمام کھیتی اور سامان جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ اور کافی تعداد میں مسلمان کسانوں کو زخمی کیا وغیرہ وغیرہ۔

آخر یہ اکٹھے دس ہزار حملہ آور کون تھے؟ وہی مسلمان کسانوں اور مزدوروں کے اقتصادی مسئلہ میں عزیز ترین بھائی!!! انہوں نے کن پر لوٹ و غارتگری کے ساتھ یہ حملہ کیا تھا؟ اپنے ان جماعتی اور طبقاتی بھائیوں پر جنہیں آج یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ تمہارا سب سے بڑا دشمن ایک مسلمان زمیندار تو ہو سکتا ہے بلکہ ہے چونکہ اس کے اور تمہارے مفاد "متضاد اور متصادم" ہیں۔ لیکن ہندو کسان تمہارا ہر حال میں بہترین بھائی ہے چونکہ تمہارے اور اس کے مفاد کسی طرح اور کسی نقطۂ نظر سے بھی "متضاد اور متصادم" نہیں ہیں یہ حملہ کیوں کیا گیا تھا؟ ان ہندو کسان اور مزدوروں نے روٹی کے بجائے مذہب۔ کلچر اور قومی روایات کے نام پر!!! ——— یہ حملہ کب کیا تھا؟ اسوقت جب کہ ہندوستان کا مسئلہ محض اقتصادی اور معاشی بتایا جاتا ہے!!! ——— یہ ہے وہ "عملی اور زندہ پروگرام جو اس طرح اجتماعی لائحۂ عمل کی صورت اختیار کر رہا ہے"!!!

غرض کہ روزانہ کے ان حالات و واقعات کے پیش نظر کون صحیح الدماغ انسان کہہ سکتا ہے کہ ہندو مسلمانوں کے سامنے ایک محض روٹی کا سوال ہے۔ آج تو ایک غیر سیاسی اور غیر حکیمانہ مزاج رکھنے والا انسان بھی بلا خوفِ تردید کہہ دیگا کہ ہندوستان کے مسائل کو محض اقتصادی سوال تک محدود کر دینا پرلے سرے کی حماقت ہے اور ہندوستان میں سب سے بڑا جھگڑا جس نے تمام "ترقیوں" کو روک رکھا ہے وہ دو مختلف مذہب کا ہے اور اس سے بھی کہیں زیادہ دو مختلف معاشرتوں کا۔ دو متضاد کلچروں کا اور دو متصادم تمدنوں کا ہے اور ان بنیادی و اساسی اختلاف نے یہ صورت پیدا کر دی ہے کہ ایک طرف ایک قوم ہر

جو اپنی اکثریت کے زعم میں بلا کسی امتیاز و استثناء کے (گو مختلف لیبل لگا کر اور مختلف نام اختیار کر کے) اقلیت پر اپنا کلچر زبردستی ٹھونسنا چاہتی ہے اور دوسری طرف مسلمان بالکل فطری اور نفسیاتی طور پر اس چیز کو گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور اس کشمکش میں وہ اقتصادی و معاشی محرکات جو دونوں کو متحد و یکجا کر سکیں سب یوں ہی دھرے ہوئے ہیں اور جب تک یہ کشمکش جاری رہیگی وہ یوں ہی رکھے رہینگے۔ اور یہ کشمکش ظاہر ہے۔ کہ اسوقت تک ختم نہیں ہو سکتی جب تک کہ مسلمانوں کو بھی پورے طور پر اطمینان نہ ہو جائے کہ انکا قومی وجود و کلچر وغیرہ بالکل محفوظ ہیں اور اس کے لئے وہی صورت ہو کہ ان کے تہذیبی منطقے بالکل علیحدہ ہوں۔

افسوس ہے کہ یہ سوشلسٹ حضرات اعتراض تو کرتے ہیں کہ "مذہب خطرہ میں ہے" کا نعرہ لگایا جاتا ہے لیکن کبھی یہ اپنے عمل کو بھی دیکھتے ہیں کہ یہ کیا کر رہے ہیں۔ یہ خود اسی جرم کے برابر مرتکب ہو رہے ہیں۔ ایک ذرا سے تغیر کے ساتھ یہ خود اسی قسم کا نعرہ برابر لگا رہے ہیں کہ "روٹی خطرہ میں ہے" مگر اب اسکو کیا کیجئے کہ دنیا کی کوئی قوم بھی فطری اور نفسیاتی طور پر اسکو کبھی گوارا نہیں کر سکتی کہ وہ اپنے کلچر وغیرہ کو تباہ کرا کے اور اپنے علیحدہ قومی وجود کو ختم کرا کے دوسروں کا کلچر قبول کرلے اور دوسروں میں ضم ہو جائے۔ ممکن ہے ڈاکٹر اشرف وغیرہ روٹی کے پیچھے اس کو قبول کرلیں لیکن مسلمانان ہند تو جنہیں ڈاکٹر صاحب "ابھارنا اور عمل پر مائل کرنا چاہتے ہیں" اس کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور نہ کبھی ہو سکتے ہیں۔

کاش یہ حضرات روس کی اشتراکیت کی تاریخ کا وہ باب بھی کسی طرح پڑھکر ذہن میں رکھتے جس میں روسی تہذیب و کلچر کے اختلافات کی بنا پر ۱۵ خود مختار جمہوری ریاستوں میں منقسم نظر آتا ہے۔ آخر سوال یہ ہے کہ روس جیسے ملک میں جہاں روٹی کی اہمیت اور اشتراکیت لاکھوں انسانوں کو تہ تیغ کر کے سمجھائی اور پڑھائی گئی ہو وہاں یہ تہذیب کے اختلافات اور کلچر کے محرکات کیسے؟

ان حضرات سے یہ امید تو نہیں ہے لیکن اتنی خواہش ضرور ہے کہ کاش یہ ان واقعات اور بے نقاب حقیقتوں پر غور کرتے اور قوموں کی نفسیات کا بغور مطالعہ کرکے کوئی اصول وضع کرتے اور ہندوستان میں تہذیب و کلچر کے محرکات و اختلافات کے وجود سے انکار کرتے وقت اس "نیم حکیم خطرۂ جان" کی طرح عمل نہ کرتے جو ایک معمولی سے پیچیدہ مرض کو بھی اناڑی ہونے کی وجہ سے تشخیص نہیں کر پاتا پیچھا چھڑانے اور سستا چھوٹنے کے خیال سے غور و خوض کرنے کے بجائے دوسرے سے مرض کے وجود ہی کا انکار کر دیتا ہے جس سے ظاہر ہے کہ نہ مرض میں کوئی افاقہ ہوتا ہے اور نہ مریض کو تسکین حاصل ہوتی ہے بلکہ بہت جلد ان حکیم صاحب کو یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ مریض ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان سے بدظن ہو چکا ہے اور اب نہ صرف اسکا ہی ارادہ ان کی طرف رخ کرنے کا نہیں ہے بلکہ چونکہ ان کی اس "حذاقت مآبی" کی دور دور شہرت بھی ہو رہی ہے۔ لہذا عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جبکہ ان کی "طبابت" محض ان کی ذات اور ان کے گھر تک محدود ہو جائیگی۔

تقلیدِ مغرب

از جناب مولوی عزیز الحق صاحب عزیزؔ۔ بی اے، بی ٹی (علیگ) شملہ

اس قدر آئی ہمیں حکمتِ مغرب پسند
اپنے محاسن سے بیر اسکے معائب پسند

چھین لی افرنگ نے ہم سے ہماری نظر
ہمکو وہی خوب ہے جو کرے "صاحب" پسند

انکا نظام و مقام اپنی نظر میں بلند
انکے مناصب عزیز انکے مراتب پسند

ان کی کتابیں بھی خوب انکے مضامیں بھی خوب
ان کے معانی پسند انکے مطالب پسند

نثر بھی ان کی بھلی نظم بھی ان کی قبول
پڑھتے ہیں ملٹن کو اب جنکو تھا غالب پسند

کالج و اسکول ہیں مرجع ہر خاص و عام
اپنے مدارس پسند اور نہ مکاتب پسند

مدرسہ میں جا کے دیکھ منظرِ تقلیدِ غیر
فرش کی جا، کرسیاں نے کی جگہ نب پسند

اپنی ہر اک چیز سے نفرت و بیزاریاں
ڈاکٹری پر مریں پر نہ کریں "طب" پسند

طالبِ دنیا تو خیر طالبِ عقبیٰ کو بھی
شیخ حرم سے عناد، گرجا کا راہب پسند

سادگی و پختگی مذہبِ فطرت میں تھی
اپنی طبیعت کو ہیں آج عجائب پسند

آہوئے دشتِ حجاز اور ہوا سیرِ فرنگ
لذتِ رم کے عوض قیدِ مصائب پسند

شکل بھی انکی سی ہو، وضع بھی انکی سی ہو
روح بھی ہوگی وہی جب ہے وہ قالب پسند

شپرہ چشمی نہیں گر تو ہے یہ اور کیا
چھوڑ کے خورشید کو آئیں کواکب پسند

سوچ کے مانگ لے عزیزؔ بندگیِ یا عرِ نفس
دیتی ہے قدرت وہی جو کرے طالب پسند

نقد و نظر

سیرت سید احمد شہید رح مرتبہ مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی۔ طباعت مکتابت عمدہ۔ جلد مطلا۔ قیمت فی جلد عمر۔ جناب مرتب سے دائرہ شاہ علم اللہ رائے بریلی سے طلب فرمائیے

اسلام ایک ایسے انقلاب عظیم کا نام ہے جو دنیا میں انسانوں کے وضع کردہ تمام نظام ھائے زندگی سے ٹکراتا ہے۔ اور ان میں سے ایک ایک کو توڑ کر انکی جگہ ایک ایسے محیطِ کل نظام حیات کو مسلط کرتا ہے جو قوانین الٰہیہ کا متعین فرمودہ ہے۔ اس نظام زندگی کے تمکن و تسلط کا نام استخلاف فی الارض ہے اور قرآن کریم کی نصوص صریحہ کے مطابق مومن کے ایمان و اعمال صالحہ کا لازمی اور فطری نتیجہ اس قسم کا استخلاف و تمکن ہے۔ اگر ایمان و اعمال صالحہ اس قسم کا نتیجہ پیدا نہیں کرتے یا اس قسم کے نتیجہ کی طرف منجر نہیں ہوتے تو بجائے اس کے کہ ہم اپنے آپ کو فریبِ نفس میں مبتلا رکھیں۔ ہمیں اس حقیقت کا مردانہ وار اعتراف کر لینا چاہئے کہ ہمارے ایمان و اعمال قرآن کریم کی میزان میں پورے نہیں اتر رہے۔

یوں تو ایک مردِ مومن کی زندگی کا ہر لمحہ صحیح ایمان کی حرارت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ لیکن اسکے اعمال صالحہ کی تکمیل اس میدان جہاد میں ہوتی ہے جہاں وہ اپنے خدا کا نام بلند کرنے کے لئے یعنی دنیا میں حکومت الٰہی کے قیام کی خاطر اپنی جان عزیز جیسی گراں بہا متاع بلا مزد و معاوضہ قربان کر دیتا ہے۔ اور یوں اپنے خون کے ہر قطرہ سے اپنے ایمان محکم کی تصدیق کراتا ہے یہ ہے صحیح اسلام اور یہ ہیں اس کے درخشندہ نتائج۔ لیکن اسلام کا یہ تصور ایک عرصہ ہوا مسلمان کی نگاہ سے اوجھل ہو گیا۔ اور اس کے بعد اس نے بھی آہستہ آہستہ یہ سمجھ لیا کہ اسلام ایک ضابطۂ اخلاق کا نام ہے۔ جو محض پند و نصائح کے کام آتا ہے۔ یہ تصور پیدا ہونا تھا کہ اسلام جیسا جیتا جاگتا

مذہب چند رسوم و مظاہر کا مجموعہ بن کے رہ گیا۔

یا وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل — یا خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات

وہ مذہب مردانِ خدامست و خود آگاہ — یہ مذہب ملاّ و نباتات و جمادات

آج تو پھر بھی مسلمانوں کو کچھ احساس پیدا ہو گیا ہے کہ ان کا موجودہ اسلام۔ صحیح اسلام سے کس قدر مختلف ہے (اور یہ احساس رہین منت ہے حکیم الامت حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمتہ کے پیغامِ حیات آفرین کا) لیکن گذشتہ صدی میں تو مسلمانوں کا تعطل و جمود انتہا تک پہنچ چکا تھا۔ اور دیکھنے والی آنکھ دیکھتی تھی کہ

مسلماں نہیں خاک کا ڈھیر ہے

لیکن اللہ کی رحمت کا کرشمہ دیکھئے کہ اسی خاک کے ڈھیر سے ایک ایسی چنگاری پیدا ہوئی جس نے اپنی حرارت خداداد سے تمام ماحول کو گرما دیا اور بجھے ہوئے افسردہ سینوں میں ایسی تمازتِ ایمان پیدا کر دی۔ جس سے دلوں میں امنگیں۔ نگاہوں میں بصیرت۔ سر میں سودائے عشق اور بازؤں میں قوت موج زن ہو گئی۔ اس آفتابِ جہاں تاب کا نام تھا مجاہد اعظم شہید ملت حضرت سید احمد بریلوی علیہ الرحمتہ

آسماں اسکی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

کتاب زیر نظر اسی مرد مومن کی مجاہدانہ سیرت کا مرقع ہے۔

ذرا اندازہ فرمائیے کہ ایک شخص ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوتا ہے۔ نہ دولت و حشمت ساتھ ہے نہ ساز و سامان۔ حالات ناموافق ماحول نامساعد لیکن اس بظاہر بیکسی و بے بسی کے ہجوم میں ایک دور کی آواز ہے جو علیٰ وجہ البصیرت اسے پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ

لا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین

وہ اس آواز کو سنکر اٹھتا ہے اور چند برسوں کی مجاہدانہ حرارت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پشاور کے

میدان میں ایک لاکھ مجاہدین کی جمعیت ساز و سامان سے آراستہ ہتھیاروں سے مسلح۔ اس کے حکم پر خدا کی راہ میں گردنیں کٹا دینے پر آمادہ نظر آتی ہے۔ اس سربکف جماعت میں کون لوگ ہیں۔ شیخ الاسلام مولانا عبدالحی صاحبؒ۔ حجۃ الاسلام مولانا شاہ محمد اسمٰعیل صاحب شہیدؒ اور دیگر بزرگانِ عظام رح)

جماعت۔ امام۔ مرکز۔ بیعت۔ کے الفاظ مسلمانوں کی زبانوں پر موجود تھے۔ لیکن ان کا مفہوم سمجھانے والا کوئی نہ تھا۔ یہ مجاہدین کی جماعت تھی جس نے آکر ان بے روح لاشوں میں پھر سے خونِ زندگی دوڑا دیا۔ اور مسلمانوں کو بتا دیا کہ ان الفاظ کے اندر انقلاباتِ عظیم کی کتنی کتنی قیامتیں پوشیدہ ہیں۔ عقیدت و ارادت کو دیکھئے تو یہ حالت کہ

"ایک مرتبہ سید صاحب نے شاہ صاحب کو خاص اپنی سواری کا گھوڑا دیا اور دہلی شاہ عبدالعزیز صاحب کی وفات کی خبر کی تحقیق و اطلاع کے لئے بھیجا۔ مولانائے شہید ادب کی وجہ سے گھوڑے پر سوار نہیں ہوتے کہ سید صاحب کا خاص گھوڑا ہے۔ بلکہ لکھنؤ سے دہلی تک اسکی لگام تھام کر آئے۔ (صفحہ ۳۹۸)

نیز یہ کہ

"ایک شخص نے شاہ صاحب سے کہا کہ حضرت آپ کی عمر اور سید صاحب کی عمر ایک ہے؟ فرمایا کہ عمر۔ عمر سید صاحب کی ہے۔ میری کیا عمر۔ میں ان کا غلام ہوں اس لفظ کو مکرر کہتے رہے"

یہ تھی عقیدت و ارادت۔ لیکن دوسری طرف یہ حالت کہ

"سید صاحب نے جب شادی کی تو اتفاقاً ایک روز نماز میں کچھ دیر سے آئے۔ اگلے دن پھر اتنی تاخیر ہوگئی کہ تکبیر اولیٰ ہو چکی تھی۔ مولانا عبدالحی صاحب نے سلام پھیرنے کے بعد کہا۔ کہ عبادت الٰہی ہوگی یا شادی کی عشرت۔

سید صاحب نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور پھر نماز میں اپنے معمولی طریقہ سے تشریف لانے لگے۔" (صفحہ ۹۱)

ملاحظہ فرمایا آپ نے مرشد اور مرید کا تعلق۔ اور دوسری طرف عجمی تصوف کی یہ کرشمہ زائیاں کہ

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود زراہ ورسمِ منزلھا!

ھاں۔ تو مجاہدین کی یہ جماعت اٹھی۔ پنجاب کی طرف بڑھی۔ اور سرحد میں جاکر متمکن ہوگئی۔ کہ فی الحقیقت ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے پنجاب اور سرحد کا علاقہ ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اگر یہ علاقہ اسلامستان بن جائے تو سارا ہندوستان دار الاسلام ہوسکتا ہے۔ یہاں بیٹھکر سکھوں کی حکومت کو لکھا کہ

(۱) یا تو اسلام قبول کرو۔ اس وقت ہمارے بھائی اور مساوی ہوجاؤ گے۔ لیکن ہمیں کوئی جبر نہیں

(۲) ہماری اطاعت اختیار کرکے جزیہ دینا قبول کرو۔ اس وقت ہم اپنی جان مال کی طرح تمہاری جان و مال کی حفاظت کریں گے۔

(۳) آخری بات یہ ہے کہ اگر تم کو دونوں باتیں منظور نہیں ہیں تو لڑنے کے لئے تیار رہو۔" (صفحہ ۱۳۴)

یہ ہے صحیح اسلامی سیاست۔ آج کے مجتہدینِ عظام اور علمائے کرام ہوتے تو مشورہ یہ دیتے کہ آؤ کفار اور مسلمان ملکر ایک متحدہ قومیت کی بنیاد ڈالیں اور ایک ایسی جمہوری حکومت قائم کریں جس میں اکثریت کفار کی ہو۔ سچ ہے۔

وہ مذہبِ مردانِ خدامست وخود آگاہ | یہ مذہب ملّا و نباتات و جمادات

لشکر مرتب ہوا۔ شوق شہادت کا یہ عالم کہ بسینہ شمشیر سے باہر تھا دم شمشیر کا۔ میدان جہاد میں پہنچے۔ اللہ کی فتح و نصرت نے بڑھکر لبیک کہا۔ آسمان کے نورانی فرشتوں نے صلوٰۃ و سلام سے استقبال کیا۔ اسی اکوڑہ کے مقام پر جہاں گذشتہ دنوں عبادتِ الٰہی میں منہمک خاکساروں کی جماعت کو خاک و خون میں غلطاں کیا گیا ہے۔ کفار کے لشکروں کو پسپا کیا گیا۔ فتح پر فتح ہونے لگی۔ پھر کیا ہوا۔ وہی جو ہوتا

چلا آیا ہے۔ یعنے خود مسلمانوں میں سے ایسے میر جعفر و میر صادق تیار کیے گئے۔ جنھوں نے حضرت سید صاحب کو کھانے میں زہر دے دیا۔ لیکن خدا کی شان یہ مردِ مجاہد اس سے بھی جانبر ہو گیے۔ دشمنوں کی سازشیں بے کار گئیں۔ اس کے بعد۔ وہ آخری تیر چلایا گیا۔ جو ہمیشہ مسلمانوں کی جماعت میں تشتت و افتراق پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ یعنے "دہلی کے ایک مشہور عالم جن کے مزاج میں تیزی تھی" مجاہدین کے کیمپ میں تشریف لے آئے۔ اپنے مخصوص مجتہدانہ انداز میں فقہی مسائل کی بحثیں چھیڑ دیں کہ مقدم فریضہ بیوی۔ بچوں اور والدین کے حقوق ہیں۔ جہاد کے لیے شرائط کیا کیا ہیں۔ کون سے کفار سے مقابلہ ہے۔ وقس علیٰ ذالک ہر چند یہ فتنہ جلد فرو کر دیا گیا۔ لیکن جو فتنہ مذہب کی راہ سے پیدا کیا جاتا ہے اس کا اثر بڑا دور رس ہوتا ہے قصہ مختصر بالاکوٹ کے مقام پر آخری مقابلہ ہوا۔ اور مجاہدین کی یہ جماعت جسے چشم فلک نے ایک مدت مدید کے بعد دیکھا تھا۔ اللہ کی راہ میں سر کٹا کر حیاتِ ابدی سے بہرہ یاب ہو گئی۔ بقیۃ السیف پہاڑوں اور وادیوں میں منتشر ہو گئے۔ اور پھر ان کے ساتھ کیا کیا سلوک ہوے۔ ان کی تفصیل طویل ہے جو کتاب زیرِ نظر میں ملے گی۔

یہ تھی "وہابیوں" کی ابتدا۔ اور ان کی انتہا آج یہ ہے کہ ان کے سامنے آمین بالجہر اور فاتحہ خلفِ امام کے مسائل کے علاوہ زندگی کا کوئی مسئلہ قابلِ اعتنا نہیں رہا۔

وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدا مست | یہ مذہبِ ملّا و نباتات و جمادات

اس جماعت مجاہدین کے ساتھ غیروں نے جو کچھ کیا اُسے تو چھوڑیے۔ خود اپنوں نے کیا کیا اسے سنیے

"۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ سے لیکر اس دن تک جس کو سو برس سے زائد ہوئے شاید کوئی دن طلوع ہوا ہو جس کی صبح کو اس شہید اسلام کی جن کی اور فضیلتیں ہر طرف اس کی شہادت مسلّم اور شہدا کی مغفرت مسلّم تکفیر و تذلیل میں کوئی فتویٰ نہ نکلا ہو۔ لعنت و سبّ و شتم کا کوئی صیغہ نہ استعمال کیا گیا ہو۔ علما کی مجلس میں اس پر اتنی لعنت کی گئی جتنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر بنی امیہ کے دربار میں نہیں کی گئی فقہ و فتاوے کی کوئی دلیل ایسی نہیں جو اس کے کفر کے ثبوت میں نہ پیش کی گئی ہو۔ وہ ابو جہل و ابولہب سے زیادہ دشمن اسلام، خوارج و مرتدین سے زیادہ

مارق من الدین وخارج از اسلام۔ فرعون و ہامان سے زیادہ مستحق نار، کفر و ضلالت کا بانی بے ادبوں و گستاخوں کا پیشوا۔ شیخ نجدی کا مقلد و شاگرد بتایا گیا۔ اور یہ ان لوگوں نے کہا جن کے جسم نازک میں اللہ کے لیے ایک پھانس بھی نہیں چبھی۔ جن کے پیروں میں اللہ کے راستے میں کبھی کوئی کانٹا نہیں گڑا۔ جن کو خون چھوڑ کر کہ اس کا ان کے یہاں کیا ذکر اسلام کی صحیح خدمت میں پسینہ کا ایک قطرہ بہانے کی سعادت بھی حاصل نہیں ہوئی۔ اور یہ ان لوگوں نے کہا جن کی ماؤں، بہنوں بیٹیوں کی عزت و عصمت بچانے کے لیے اس نے اپنا سر کٹایا۔ تو کیا اس کا یہی گناہ تھا اور کیا دنیا میں احسان فراموشی کی اس سے بڑھکر نظیر مل سکتی ہے۔ جس وقت پنجاب میں مسلمانوں کا دین و ایمان جان و مال۔ عزت و آبرو محفوظ نہ تھی۔ سکھوں کے گھروں میں مسلمان عورتیں تھیں۔ مساجد کی بے حرمتی ہو رہی تھی۔ اور ان میں گھوڑے باندھے جاتے تھے۔ اُس وقت یہ غیرتِ ایمانی و حمیتِ اسلامی والے جو ایک "کلمۂ کفر" برداشت نہیں کر سکتے۔ کہاں تھے؟ اور کیا آج بھی شاہ ولی اللہ کے پوتے کے علاوہ کوئی کافر نہیں" (ص ۴۱۰-۴۰۹)

لیکن اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔ وہ کونسی تحریک ہے جس میں زندگی کے کچھ آثار نظر آتے ہوں اور "مولوی" نے اس پر کفر کا فتویٰ نہ لگا دیا ہو۔ آج بھی کیا یہی کچھ نہیں ہو رہا؟ اگرچہ پیر ہے آدم جواں ہیں لات و منات۔

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم ـــــ اور اب بھی جی نہیں چاہتا کہ اس "قصۂ زلف" کو چھوڑ دیا جائے۔ لیکن عدم گنجائش مزید تفصیل سے مانع ہے۔ ہم جناب سید ابوالحسن علی صاحب ندوی کی خدمت میں بہ صمیم قلب ہدیہ تبریک و تہنیت پیش کرتے ہیں کہ اُنہوں نے اس کتاب کی اشاعت سے ایک ایسی عمدہ خدمت انجام دی ہے جس کے لیے ملتِ اسلامیہ انکی شرمندۂ احسان ہے۔ ہم ان سے درخواست کریں گے کہ وہ اس سلسلہ کے دیگر ملفوظات کو بھی وقتاً فوقتاً شایع فرماتے رہیں۔ مثلاً حضرت سید صاحب کے خطوط کا مجموعہ، یا حضرت شاہ صاحب کی کتاب "منصب امامت" کی تلخیص وغیرہ۔

ہم ہر اس مسلمان سے جو اپنے سینے میں دھڑکنے والا دل رکھتا ہے بزور سفارش کریں گے کہ وہ کتاب زیر نظر کا ضرور مطالعہ کرے اس سے یہ بھی فائدہ ہوگا کہ اس سلسلہ کی اور بہت سی چیزیں شایع ہوسکیں گی کہ یہی وہ سلسلۂ ربانی ہے جس کے اجرا سے یہ حقیقت سامنے آسکتی ہے کہ ؎

عالم ہے فقط مومن جاں باز کی میراث
مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے

رسالہ دینیات | مؤلفہ مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی ۔ مدیر ترجمان القرآن ۔ طباعت ۔ کتابت کاغذ عمدہ ۔ قیمت ۱۲ ار فی جلد مع محصول ڈاک ۔ ملنے کا پتہ :۔ دفتر ترجمان القرآن ۔ لاہور

حلقۂ طلوع اسلام میں مولانا مودودی صاحب مدظلہٗ کسی تعارف کے محتاج نہیں زیر نظر رسالہ انہی کی تالیف ہے۔ اور "خصوصیت کے ساتھ ان نوجوانوں کے لیے لکھا گیا ہے جو ہائی اسکولوں کی آخری جماعتوں یا کالج کی ابتدائی منزلوں میں تعلیم پاتے ہوں" حقیقت یہ ہے کہ آج ملت اسلامیہ میں سب نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ خصوصیت کے ساتھ توجہ کا محتاج ہے ۔ اس لیے کہ کفر و الحاد کے جس ماحول میں انکی تعلیم و تربیت سرانجام پا رہی ہے ۔ اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ وہ مذہب سے بے گانہ ہی نہیں بلکہ متنفر ہو جائیں ۔ پھر بدبختی یہ کہ ہمارے نام نہاد مدارس "اسلامیہ" میں جس طریق پر دینیات کی تعلیم دی جاتی ہے وہ مذہب میں کسی قسم کی کشش پیدا کرنے کے بجائے اکثر اوقات اس سے نفرت کا موجب بن جاتی ہے ۔ مولانا صاحب نے ان حالات کو پیش نظر رکھ کر یہ رسالہ تالیف فرمایا ہے ۔ اور کوشش کی گئی ہے کہ طالب علم کو فقہی مسائل رٹانے کی بجائے اس کے دلیس دین کی حکمتِ بالغہ کی عظمت پیدا کی جائے ۔ ان کی یہ کوشش بڑی مبارک اور کامیاب ہے ۔ اُمید ہے کہ مسلمان اسے بہ نظر استحسان دیکھیں گے ۔ رسالہ میں مختصراً عقائد و عبادات کا صحیح صحیح تعارف کرا دیا گیا ہے ۔ اور قرآن کریم کے طرزِ استدلال کی پیروی کی گئی ہے ۔ اس کی خاص ضرورت تھی کہ یہی طریقہ سب سے زیادہ درست اور مفید ہو سکتا ہے ۔

ہندوستانی | انگریزی زبان میں ایک مختصر سا رسالہ۔ مصنفہ منشی دین محمد صاحب۔ الریاض ہال بازار۔ امرتسر۔ طباعت۔ کتابت۔ کاغذ عمدہ۔ قیمت ۱۲ ار فی جلد۔

سیاستِ حاضرہ میں زبان کا مسئلہ جس قدر اہمیّت اختیار کر گیا ہے۔ ناظرین طلوع اسلام سے مخفی نہیں۔ برادرانِ وطن جس دیدہ دلیری سے اُردو کو مٹانے اور ہندی کو رائج کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں وہ بھی ظاہر ہے۔ اس پر طرّہ یہ کہ خود بعض مسلمان (قومیت پرست) حضرات بھی دانستہ یا نادانستہ "سواگت" اور "نیائے" کی دَل دَل میں پھنس کر بزعمِ خویش اپنی کشادہ ظرفی، لیکن درحقیقت اپنے جذبۂ مرعوبیت کا ثبوت دینے لگ گئے ہیں۔ رسالہ زیرِ نظر میں اس متنازعہ فیہ مسئلہ پر سنجیدہ بحث کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس بارے میں برادرانِ وطن کے منصوبے کیا ہیں۔

تنقیحات | یہ رسالہ اہم مضامین پر مشتمل ہے، جو ہمارے محترم مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کے قلم سے ترجمان القرآن میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان مضامین کی اہمیت یقیناً اس امر کی متقاضی تھی کہ انہیں الگ بھی شائع کیا جائے۔ مولانا صاحب نے ان کی اس انداز کی اشاعت سے وقت کی ایک بڑی ضرورت کو پورا کیا ہے۔ مضامین ایسے متنوع ہیں کہ ہماری زندگی کا شاید ہی کوئی ایسا اہم گوشہ ہو جس پر بالواسطہ یا بلاواسطہ روشنی نہ ڈالی گئی ہو۔ ہماری ذہنی غلامی اور اس کے اسباب۔ عقلیت کا فریب۔ تجدد کا پائے جوبیں دورِ جدید کی بیماریوں۔ ہندوستان میں اسلامی تہذیب کا انحطاط۔ ہمارے نظامِ تعلیم کا بنیادی نقص۔ انسانی قانون اور قانونِ الٰہی۔ مسلمان کا حقیقی مفہوم۔ ایمان اور اطاعت، مرض اور اس کا علاج۔ یہ ہیں چند عنوان اس فہرست میں سے جو اس مجموعۂ مضامین کی ماجرا نواز ہے۔ ضرورت ہے کہ اس رسالہ کی عام اشاعت ہو۔ جو ترجمان القرآن کے سائز پر ۲۴۰ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ کتابت، طباعت، کاغذ۔ سرورق بالکل ترجمان القرآن جیسا قیمت غیر مجلد ۱۲ ار۔ محصول ڈاک ۴ ر۔ دفتر رسالہ ترجمان القرآن۔ ملتان روڈ، لاہور سے طلب فرمائیے۔

دار الاسلام

خاکِ ما خیزد کہ سازد آسمانے دیگرے   ذرّۂ ناچیز و تعمیرِ بیابانے نگر

ہندوستان کے مسلمان جن مصائب و آلام کے ہجوم میں آج گھرے ہوئے ہیں وہ کسی دیکھنے والی آنکھ اور محسوس کرنے والے دل سے پوشیدہ نہیں۔ اِس میں شبہ نہیں کہ اِن مشکلات کا بیشتر حصّہ کوئی نیا نہیں۔ بلکہ وہ ایک عرصہ سے مسلمانوں کے سر پہ مسلّط تھا۔ لیکن گوناگوں اسباب و علل کی بنا پر آج اُن کی شدّت بہت بڑھ گئی ہے۔ اور پھر یہ بھی کہ اب "کارواں کے دِل میں احساسِ زیاں" پیدا ہو رہا ہے اِسی کا نتیجہ ہے کہ آج ہر وہ شخص جو ہندوستان میں مسلمانوں کی ملّی ہستی کو برقرار رکھنے کا متمنّی ہے دِن کے چین اور رات کی نیند سے محروم ہے۔ لیکن فکر و نظر کی پریشانیوں کی وجہ سے حالت یہ ہو رہی ہے کہ

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہ رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

اِس تشتّت و افتراق۔ منزل کے عدمِ تعیّن۔ جادۂ مستقیم سے ناواقفیت۔ خضرِ راہ کی غلط شناخت کا نتیجہ یہ ہے کہ بیشتر قدم ایسے ہیں جو اُٹھتے ہیں لیکن منزل قریب نہیں آتی۔ کوششیں ہوتی ہیں لیکن نتائج کچھ برآمد نہیں ہوتے۔ اعمال غارت ہو رہے ہیں محنتیں اکارت جا رہی ہیں۔ مساعی نامشکور ہو رہی ہیں سے ڈور کو سلجھا رہے ہیں پر سرا ملتا نہیں

یہی تھی وہ تڑپ جس سے مجبور ہو کر آج سے کچھ سال پہلے پنجاب کے ایک غیر معروف گاؤں جمال پور کا ایک مخلص مسلمان (خانصاحب چودھری نیاز علی) اُٹھا۔ دَورِ حاضرہ کی سب سے بڑی ہستی حکیم الاُمّت حضرت علامہ اقبالؒ کی خدمت میں پہنچا۔ اور اپنی زندگی کا تمام حاصل اُن کے قدموں میں جا کر ڈھیر کر دیا کہ یہ ہے میری کُل کائنات۔ اِسے لیجئے اور ٹھکانے لگا دیجئے۔

سپردم بتو مایۂ خویش را　　تو دانی حساب کم و بیش را

حضرت علامہؒ کے ذہن میں ایک عرصہ سے ایک ایسی اسکیم کا خاکہ متشکل ہو رہا تھا جس کی رو سے وہ چاہتے تھے کہ ہندوستان کی اس دنیائے عجم میں کہیں کسی گوشہ میں ایک مختصر سی ایسی بستی بسائی جائے جو اسلامی ماحول کی آئینہ دار ہو۔ جہاں بہترین دل و دماغ کے چند منتخب نوجوان افرادِ ملت کو جمع کر کے ان کی صلاحیتوں کو صحیح اسلامی قالب میں ڈھالا جائے۔ ان کے پیکرِ آب و گل میں قرآنی روح پھونک کر ان میں ایسی فولادی سیرت پیدا کر دی جائے کہ وہ دنیا میں ہر مخالف قوت کے مقابلہ میں "بنیانِ مرصوص" ثابت ہوں۔

حضرت علامہؒ نے خانصاحب موصوف کے اس ارادہ کو مبارک سمجھا۔ چنانچہ اس اسکیم کے خارجی انتظامات ان کے سپرد کر دیئے اور داخلی پہلوؤں کو اپنے زیرِ نظر رکھا۔ حضرت علامہؒ کے ذہن میں اس اسکیم کا نقشہ کیا تھا۔ اس کا اندازہ آپ اس مکتوبِ گرامی سے لگا سکتے ہیں جو انھوں نے اس ضمن میں جامعہ ازہر (مصر) کے شیخ علامہ مصطفےٰ المراغی کی خدمت میں ارسال فرمایا تھا۔ مکتوب کا اردو ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ ضروری تمہید کے بعد آپ نے تحریر فرمایا کہ

"ہم نے ارادہ کیا ہے کہ پنجاب کے ایک گاؤں میں ایک ایسا ادارہ قائم کریں جس کی نظیر آجتک یہاں قائم نہیں کیا گیا۔ ہماری خواہش ہے کہ اس ادارہ کو وہ شان حاصل ہو جو دوسرے دینی اور اسلامی اداروں کی شان سے بہت بڑھ چڑھ کر ہو۔ ہم نے ارادہ کیا ہے کہ علوم جدیدہ کے چند فارغ التحصیل حضرات اور چند علومِ دینیہ کے ماہرین کو یہاں جمع کریں۔ یہ ایسے حضرات ہوں جن میں اعلیٰ درجہ کی ذہنی صلاحیتیں موجود ہوں۔ اور وہ اپنی زندگیاں دینِ اسلامی کی خدمت کے لئے وقف کرنے کو تیار ہوں۔ ہم ان کے لئے تہذیب حاضرہ کے شور و شغب سے دور ایک کونے میں ہوسٹل بنانا چاہتے ہیں۔ جو کہ ان کے لئے ایک علمی اسلامی مرکز ہو۔ اور ہم ان کے لئے ایک لائبریری قائم کرنا چاہتے ہیں جس میں ہر قسم کی نئی اور پرانی کتب موجود

ہوں۔ علاوہ ازیں ہم ایک ایسا رہنما جو کامل اور صالح ہو اور قرآنِ حکیم میں بصیرتِ تامہ رکھتا ہو اور نیز انقلاباتِ دورِ حاضرہ سے بھی واقف ہو، مقرر کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ وہ ان کو کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ کی روح سے واقف کرے اور تفکّرِ اسلامی کی تجدید یعنی فلسفہ، حکمت، اقتصادیات اور سیاسیات کے علوم میں اُن کی مدد کرے۔ تاکہ وہ اپنے علم اور تحریروں کے ذریعے تمدّنِ اسلامی کے دوبارہ زندہ کرنے میں جہاد کر سکیں۔

اِس تجویز کی اہمیت آپ پر منکشف کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ آپ خود اِس بات کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ لہٰذا میری تمنا ہے کہ آپ ازراہِ عنایت ایک مصری عالم۔ روشن خیال کو جامع ازہر کے خرچ پر ہمارے پاس بھیج کر ممنون فرمائیں تاکہ یہ شخص ہم کو اِس کام میں مدد دے۔ چاہیئے کہ یہ شخص علومِ شرعیہ اور تاریخ تمدّنِ اسلامی میں ماہر ہو۔ نیز زبانِ انگریزی پر بھی قدرتِ کامل رکھتا ہو۔ علاوہ ازیں مجھے مصری وفد کے اراکین سے جنھوں نے پچھلے دِنوں ہمیں اپنی زیارت سے مشرف فرمایا تھا معلوم ہوا تھا کہ جامع ازہر اپنے خرچ پر ہندوستان میں چند مبلغین مختلف مقامات میں بھیجنے کا اِرادہ رکھتا ہے۔ میں آپ سے درخواست کرنا چاہتا ہوں کہ ایک مرکز اسلامی کی بنا رکھیں جیسا کہ میں نے ابھی ابھی ذکر کیا ہے۔ مقصدِ تبلیغ کے لئے مختلف مقامات پر مختلف مبلغین بھیجنے سے زیادہ ادنیٰ و اقرب ہے۔ مجھے توقع ہے کہ دینِ حق کا نور اس مرکز سے ہندوستان کے تمام اطراف و اکناف میں پھیلے گا۔ اگر آپ میرے ساتھ اِس لائحہ عمل پر اتفاق کریں تو آپ کا بیحد ممنون ہونگا۔ اپنے خیال سے جلد از جلد مطلع فرمائیں۔"

شیخ المراغی نے اس مکتوب کے جواب میں معذرت لکھ بھیجی کہ سرِدست اِن صفات کا کوئی عالم ہندوستان میں نہیں بھیجا جا سکتا۔ اس کے بعد ہندوستان کے مختلف اہل الرّائے حضرات سے

اِس اسکیم کی عملی تشکیل کے متعلق استصواب کیا گیا۔ اور اُن کے قیمتی مشوروں کو پیشِ نظر رکھا گیا۔ جہاں تک خارجی انتظامات کا تعلق تھا کام بڑی سُرعت سے آگے بڑھایا گیا۔ خان صاحب موصوف نے قریب ستّر ایکڑ مزروعہ اراضی بذریعہ رجسٹری اِس غرض کے لئے وقف کردی۔ اِس زمین کے ایک حصّہ میں تعمیر کا کام شروع کیا گیا۔ مسجد۔ لائبریری۔ دارالمطالعہ۔ رہائشی مکانات۔ دارالاقامہ (ہوسٹل) کی عمارات مکمل کردی گئیں۔ قریب پچیس ایکڑ اراضی میں اعلیٰ ترین آم وغیرہ کے باغ لگانے کی ابتدا کردی گئی ہے جو انشاء اللہ پانچ ہزار کی مستقل آمدنی کا ذریعہ ہوجائیگا۔ اِس آبادی کا نام "دارالاسلام" رکھا گیا۔ اور اِس کے نظم ونسق کے لئے ایک بورڈ اوف ٹرسٹیز بنادیا گیا جو حسب ذیل حضرات پر مشتمل ہے:۔

(۱) میاں نظام الدین صاحب رئیس لاہور۔

(۲) خانصاحب شیخ محمد نصیب۔ بیرسٹر گورداسپور۔

(۳) خان صاحب چودھری نیاز علی خاں جمال پور۔

(۴) چودھری رحمت علی صاحب ڈپٹی کلکٹر انہار۔

(۵) خان بہادر مولوی فتح الدین صاحب ڈپٹی ڈائرکٹر زراعت۔

(۶) مولانا محمد اسد صاحب (لیو پولڈ۔ نومسلم)

(۷) مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی مدیر ترجمان القرآن

کام شروع کرنے کے لئے مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی حیدرآباد سے تشریف لے آئے۔ ان کے ساتھ دو چار رفقائے کار بھی شاملِ ہوگئے۔ اسکیم کی جزئیات کی ترتیب آہستہ آہستہ عملی شکل اختیار کرنے لگیں۔ حضرت علامہؒ کا ارادہ تھا کہ ان کو مرض سے کچھ افاقہ ہوجائے تو وہ بنفسِ نفیس دارالاسلام میں منتقل ہوجائینگے۔ اور اس کے بعد پوری اسکیم حیطۂ عمل میں آنی شروع ہوجائے گی۔ اِدھر یہ تصورات وابستگان دارالاسلام کے لئے فردوسِ دماغ بن رہے تھے اور اُدھر کارکنانِ قضاوقدر ہنس رہے تھے کہ کل کے علم سے بے خبر انسان کس طرح تمناؤں کے کھلونوں کے

دل بہلاتا رہتا ہے۔ ابھی اس اسکیم کا پورا نقشہ بھی مرتب نہ ہونے پایا تھا کہ حضرتِ علامہؒ دُنیا سے تشریف لے گئے۔ اور دارالاسلام ایک جسدِ بے روح بن کر رہ گیا۔

دارالاسلام کے لئے یہی حادثہ کچھ کم جانکاہ نہ تھا کہ اس کے بعد ایک دوسرا حوصلہ شکن واقعہ رونما ہو گیا۔ مولانائے مودودی صاحب حیدرآباد سے ایک اسکیم اپنے ذہن میں لائے تھے۔ جب دونوں اسکیمیں عملی لحاظ سے ایک دوسرے کے مقابل آئیں تو معلوم ہوا کہ ان کی اسکیم دارالاسلام کی اسکیم سے کچھ مختلف تھی۔ اور چونکہ وہ دارالاسلام کے موجودہ قالب میں ڈھل نہیں سکتی تھی اس لئے مولانا صاحب دارالاسلام چھوڑ کر لاہور تشریف لے گئے۔ اس وقت حالت یہ ہے کہ خارجی انتظامات (از قسم عمارات۔ باغ۔ مزروعہ۔ اراضی) سب مکمل ہیں اور ٹرسٹ کی نگرانی ان پر موجود ہے لیکن اسکیم معطل ہے۔ تجویز یہ ہے کہ اللہ کا نام لے کر حضرت علامہ کے تیار فرمودہ خاکہ کے مطابق اب بلا مزید توقف بتدریج اسکیم کو عملی شکل میں لایا جائے انشاء اللہ العزیز۔

سکونتی مکانات میں کئی متاہل حضرات کی رہائش کی جگہ موجود ہے۔ اور یہ کوارٹرز نہایت عمدہ تیار ہوئے ہیں۔ دارالاقامہ میں کم و بیش پچیس طلباء کی رہائش کا سامان موجود ہے۔ دارالمطالعہ ایک وسیع ہال کی شکل میں ہے۔ لائبریری بھی ابتدائی ضروریات کے لئے کافی ہے۔ تجویز یہ ہے کہ کام شروع کرنے کے لئے ایک یا دو ایسے "مردِ مسلمان" یہاں مستقل طور پر قیام پذیر ہوں جو قلب و دماغ اور علم و عمل کے اعتبار سے صحیح معنوں میں مسلمان ہوں۔ ایک طرف مشرقی اور مغربی علوم میں ماہر ہوں اور دوسری طرف اُن کی عملی زندگی ایک مردِ مجاہد کی زندگی ہو۔ وہ دارالاسلام میں بیٹھ جائیں۔ دارالاسلام اُن کی ضروریات کا کفیل ہوگا۔

اس کے بعد ایسے طلباء کو یہاں رہنے کے لئے منتخب کیا جائے جو یا تو انگریزی تعلیم میں بہرہ وافر رکھتے ہوں (مثلاً گریجویٹ ہوں) اور یا دینی مدارس مثل دیوبند وغیرہ کے فارغ التحصیل ہوں۔ ان طلباء کو جانچ لیا جائے کہ وہ ذکاوت و ذہانت۔ سنجیدگی و متانت اور حسنِ اخلاق کے

اعتبار سے اس قابل ہیں کہ انھیں دارالاسلام میں رکھا جائے۔ عربی داں طلبار علومِ مغرب کا سبق پڑھیں۔ انگریزی خواں طالب علم مشرقی علوم کی تحصیل کریں اور اس کے ساتھ یہ دونوں گروہ اس ایک یا ایک سے زیادہ معلّم سے نبیِ اکرمؐ کے عہدِ مبارک کے خالص دینِ فطرت کا درس لیں اور دورِ حاضرہ کے انقلابات سے روشناس ہوں۔ اندازہ ہے کہ اس میں کم و بیش دو تین برس کا عرصہ صرف ہوگا۔ اس دوران میں طلبار کے خورد و نوش کی کفالت بھی دارالاسلام کے ذمہ ہوگی

(۲) دینی علوم کے ساتھ ساتھ دارالاسلام میں دیال باغ آگرہ کے نمونہ پر ایک صنعتی ادارہ کھول دیا جائے۔ جس میں مختلف دستکاریوں کی تعلیم کا انتظام ہو۔ تاکہ جب یہ طالب علم دارالاسلام سے مبلغ بن کر نکلیں تو دنیا میں آزادی سے رزقِ حلال کما سکیں۔ ان کا مقصدِ زندگی تبلیغ ہوگا۔ ایسی تبلیغ نہیں جو آجکل کے پیشہ ور مبلغین کے ذریعے ننگِ اسلام بن رہی ہے۔ بلکہ اس قسم کی تبلیغ جس کی درخشندہ مثالیں ہمیں عہدِ صحابہؓ میں ملتی ہیں۔ دارالاسلام سے نکل کر یہ طالب علم مختلف مقامات پر اسلامی مراکز قائم کریں۔ اور قوم میں صحیح اسلامی اجتماعیت اور مرکزیت کی روح پھونکیں۔ شروع شروع میں جامع مساجد اور بعد میں عام مساجد کے ائمہ بھی اسی زمرہ سے مقرر کئے جائیں۔ یہ طالب علم جہاں بھی رہیں اپنا تعلق مستقل طور پر مرکزِ دارالاسلام سے وابستہ رکھیں گے۔

(۳) موسمِ گرما میں کالجوں میں تعطیلات ہوتی ہیں۔ اِس زمانہ میں طالب علم بالعموم پرسکون مقامات کی تلاش میں ہوتے ہیں۔ دارالاسلام دامنِ کوہسار (سلسلۂ ہمالیہ) میں ایک بہت بڑی نہر کے کنارے واقع ہے۔ شور و شغب سے دور۔ پُرفضا ماحول اور اس کے ساتھ ہی عہدِ حاضرہ کی سہولتوں مثلاً ریل۔ موٹر۔ بجلی۔ ڈاکخانہ سے بہرہ یاب۔ تجویز ہے کہ اس موسم میں خواہشمند طلبار کے لئے واجبی اخراجات پر دارالاسلام میں رہائش کا انتظام کیا جائے۔ بشرطیکہ وہ احکامِ شریعت کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اِس دوران میں یہ بھی انتظام کیا جائے کہ دارالاسلام میں مختلف اکابرِ ملت کے لکچروں کا سلسلہ شروع ہو۔ اور یوں دو تین ماہ کے عرصہ میں متعدد لکچر مختلف اسلامی موضوعات پر ہو جایا کریں۔ اِن خطبات کے لئے ہندوستان اور بیرونِ ہند سے ممتاز

زعمائے اُمّت کو دعوت دی جائے۔

(۴) جو طلبا مستقل طور پر دارالاسلام میں قیام پذیر ہوں انھیں تحریر و تقریر کی بھی مشق کرائی جائے۔ دورانِ طالب علمی میں ان سے مختلف موضوعات پر مضامین لکھائے جائیں اور مختلف اسلامی تقاریب پر اجتماعات منعقد کر کے ان سے تقاریر کرائی جائیں۔

یہ ہے مختصراً دارالاسلام کے مقاصد کا خاکہ۔ اگر اس میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کامیابی ہو جائے تو پھر یہ چیز بھی پیشِ نظر ہے کہ اس میں پانچ سال کے بچوں کو داخل کیا جائے اور اخیر تک ان کی تعلیم و تربیت اسی اسلامی ماحول میں ہو۔ اس خاکہ کو ایک عملی نظام بنانے کے لئے ہم ہندوستان کے تمام دردمند مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ حسب ذیل طریقوں سے ہماری معاونت فرمائیں۔

(۱) مذکورہ صدر اسکیم میں جہاں جہاں ترمیم و تنسیخ کی ضرورت محسوس کریں اس سے ہمیں مطلع فرما دیں۔

(۲) اگر آپ اس اسکیم کے اُصول سے متفق ہوں تو پھر فرمائیے کہ آپ کس حد تک اس میں عملاً شریک ہو سکتے ہیں۔ کم سے کم ادارہ کی رکنیت یا معاونت قبول فرمائیں۔ جس کا چندہ سالانہ صرف دو روپیہ اور پانچ روپیہ علی الترتیب ہوگا۔

(۳) جن صفات کے معلّمین کا ذکر کیا جا چکا ہے ان کی تلاش میں ہماری راہنمائی فرمائیے یعنی اگر آپ کی نگاہ میں ایسے حضرات موجود ہوں تو ہمیں اُن سے مطلع فرمایا جائے اور انھیں اس اسکیم سے متعارف کرا دیا جائے۔ ہم چاہتے تو یہ ہیں کہ کوئی ایک ہستی ایسی مل جائے جو ان تمام صفات کی جامع ہو (یعنی بیک وقت مشرق و مغرب کے علوم پر دستگاہ رکھے۔ اور اس کی زندگی عملی لحاظ سے صحیح اسلامی زندگی ہو) لیکن اگر دونوں علوم ایک جگہ نہ مل سکیں تو پھر مجبوراً دو حضرات کا انتخاب کر لیا جائے۔

(۴) جو طالب علم دارالاسلام میں قیام پذیر ہونا چاہیں وہ اپنے ارادے سے ہمیں مطلع فرما دیں۔

(۵) ابتدائی اخراجات کے لئے عطیات اور مستقل خرچ کے لئے مستقل امداد فرمائیں۔ واضح رہے

کہ دارالاسلام چونکہ باقاعدہ رجسٹری شدہ ہے اس لئے اس کا حساب کتاب باقاعدہ رکھا جاتا ہے نیز ٹرسٹیوں کی فہرست سے آپ نے اندازہ فرمالیا ہوگا کہ یہ وہ حضرات ہیں جن کی دیانت بفضلہٖ ہر قسم کے شبہ سے بالاتر ہے۔

(۶) دارالاسلام کے صنعتی شعبہ میں آپ کیا اور کس قسم کی مدد کر سکتے ہیں؟ نیز آپ کے پیش نظر اس کی بابت کیا عملی تجاویز ہیں۔

یقین مانئے کہ دارالاسلام کی اسکیم بچوں کا کھیل نہیں۔ بلکہ اس کے اندر وہ روح کارفرما ہے جو قوموں کی تاریخ بدل دیا کرتی ہے۔ چہ عجب کہ اللہ تعالیٰ اس اسکیم ہی کو وہ ذریعہ بنائے جس سے ہماری انفرادیت اجتماعیت میں بدل جائے۔ اور یوں ہماری نکبت و زبون حالی پھر سے سرفرازی و سربلندی میں تبدیل ہو جائے۔ واللہ علیٰ کل شیٍٔ قدیر۔

اس باب میں خط و کتابت ذیل کے پتہ پر کیجئے:۔

خان صاحب چودھری نیاز علی صاحب
دارالاسلام۔ نزد پٹھانکوٹ
(پنجاب)

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

اراکین حضرات

کی خدمت میں درخواست ہے کہ ادارہ کی جانب سے ارسال کردہ گشتی چھٹی کا جواب بہت جلد مرحمت فرمائیں۔ باعث شکریہ ہوگا۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

۱۔ مقالات حالی۔ حصہ اوّل | مولانا حالی مرحوم کے ۳۲ مضامین کا مجموعہ، جو مذہب، اخلاق، تعلیم ادب، فلسفہ، اور سیاسیات وغیرہ موضوعات پر مشتمل ہے۔ کتاب اعلیٰ درجے کے کاغذ پر بہت نفیس چھپی ہے۔ حجم ۳۱۰ صفحات۔ قیمت مجلد چار روپے۔ بلا جلد تین روپے آٹھ آنے۔

۲۔ سب رس | اردو نثر کی یہ نایاب اور سب سے قدیم کتاب بہت تلاش و جستجو کے بعد خاص اہتمام اور صحت سے چھاپی گئی ہے۔ اس کے مصنّف مولانا وجہی، سلطان عبداللہ قلی قطب شاہ کے نامور شاعر اور ادیب تھے۔ قصّہ عجیب اور طرز بیان بھی عجیب ہے۔ حجم ۲۰۰ صفحات۔ قیمت مجلد چار روپے۔

۳۔ فاؤسٹ | گوئٹے (جرمنی کے الہامی شاعر) کا ڈراما "فاؤسٹ" دنیائے ادب و تخیّل کا وہ کارنامہ ہے جو ایک صدی سے تمام عالم میں مشہور ہے۔ ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم۔ اے۔ (پی۔ ایچ۔ ڈی) نے ترجمہ کیا ہے قیمت فی جلد چار روپے مجلّد۔ بلا جلد تین روپے آٹھ آنے۔

۴۔ محاسن کلامِ غالب | ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری مرحوم کا معرکۃ الآرا مضمون ہے۔ اُردو زبان میں یہ پہلی تحریر ہے جو اس شان کی لکھی گئی ہے۔ قیمت مجلد ایک روپیہ۔

۵۔ اندرون ہند | خالدہ ادیب خانم کی جدید تصنیف (Inside India) کا ترجمہ۔ نہایت دل چسپ کتاب ہے۔ قیمت مجلد سوا تین روپے۔ بلا جلد تین روپے۔

۶۔ حقیقت جاپان | اس میں جاپان کی معاشرت، تمدّن اور تاریخ و ادب وغیرہ کے متعلق صحیح معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں۔ تیس سے زیادہ بلاک کی تصویریں ہیں۔ قیمت مجلد تین روپے آٹھ آنے۔ بلا جلد تین روپے۔

۷۔ اسٹینڈرڈ انگلش اُردو ڈکشنری | نہایت جامع اور مکمّل ڈکشنری ہے اسمیں تخمیناً دو لاکھ انگریزی الفاظ و محاورات کی تشریح کی گئی ہے۔ جلد نہایت پائیدار، کاغذ بہترین۔ قیمت سولہ روپے۔

۸۔ اسٹوڈنٹس انگلش اُردو ڈکشنری | یہ بڑی لغت کا اختصار ہے لیکن جامع ہے۔ حجم ۱۴۶۲ + ۱۹ صفحے قیمت پانچ روپے۔ طلبا اور اُستادوں کے لیے نہایت مفید ہے۔

فہرست اور کتابیں طلب کرنے کا پتہ:۔ بک ڈپو انجمن ترقی اُردو (ہند) اُردو بازار جامع مسجد دہلی

رجسٹرڈ ویل نمبر 4240

طلوعِ اسلام

یعنی

ہیئت اجتماعیہ اسلامیہ کا ماہوار مجلّہ۔ جو اسلام کے جماعتی نصب العین کے مطابق مئی ۱۹۳۸ء سے شائع ہو رہا ہے۔

طلوعِ اسلام

کسی شخص کی ذاتی ملکیت نہیں ہے بلکہ تمام اُمّتِ اسلامیہ کا مشترکہ پرچہ ہے اِس کا

نصب العین

مسلمانوں میں جماعتی زندگی کا احیا۔ قرآن کریم کے حقائق وعلوم کی اشاعت، سیاسیاتِ حاضرہ میں مسلمانوں کی صحیح اور سچّی رہنمائی ہے۔

جو لوگ!

مغربی علوم وفنون سے مرعوب ہو چکے ہیں اُن کو یہ رسالہ بتائے گا کہ دُنیا خواہ کتنی ہی آگے نکل جائے قرآن کریم ہر زمانہ میں اُس سے آگے ہی نظر آئے گا۔

بلند پایہ مضامین!

کا اندازہ اِس سے لگائیے کہ اکثر مضامین کتابی شکل میں کئی کئی بار طبع ہو کر شائع ہو چکے ہیں۔ وہ سیاسیاتِ حاضرہ میں مسلمانوں کا سچا رہنما، بہترین مشیر اور ان پر غور وفکر کی راہیں کشادہ کرنیوالا ہے۔

قیمت سالانہ پانچ روپیہ صہ

نمونہ مُفت طلب فرما کر خریداری کا فیصلہ کیجئے! (منیجر طلوعِ اسلام بلیماران دہلی)

Printed at the Jayyed Press, Delhi. Published by Z. A. K. from Tulue Islam Office, Delhi.